فصل دوم

موجودہ تہذیبی چیلنج میں ذرائع ابلاغ کا کردار

دورِ جدید میں قوموں کی زندگی میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ یہ اقوام وملل کے لیے غذا اور ہوا کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ایک سیل بیکراں ہے جو متعدد صورتوں کی شکلوں میں ہر طرف اُمڈا چلا آ رہا ہے' ذرائع ابلاغ دو دھاری تلوار ہیں' جس سے خیر اور بھلائی کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے اور برائی اور شر کو بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔

موجودہ دور ابلاغ عامہ کا دور ہے۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کی نشریات چوبیس گھنٹے معلومات فراہم کرتی ہیں، ریڈیو کی لہریں ان جگہوں پر بھی اطلاعات پہنچاتی ہیں جہاں ٹیلی ویژن اور اخبارات کی رسائی ممکن نہیں۔ غرض ابلاغ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت بن گیا ہے۔ انسان لمحہ لمحہ کے حالات و واقعات سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ انفرادی سطح پر ہمیشہ سے ابلاغ ذاتی اظہار کا ذریعہ رہا ہے۔ جب کہ اجتماعی سطح پر یہ ایک معاشرتی عمل کا نام ہے۔ اپنے خیالات اور نظریات دوسروں تک پہنچانا انسان کی فطرت ہے۔

ذرائع ابلاغ جدید معاشرے اور تہذیب کی جان ہے یہ کسی بھی معاشرے کے اجتماعی مزاج کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے فی زمانہ ذرائع ابلاغ انسانی معاشرے میں لازمی جز کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کو معاشرے کا ترجمان کہا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے بغیر انسانی زندگی بے کیف، بے رونق اور بے علم رہ جاتی ہے۔ مغربی ممالک ایک منصوبے کے تحت ترقی پذیر ممالک اور خصوصاً مسلم معاشروں میں فحاشی پھیلا رہے ہیں۔ فحاشی پھیلانے کا یہ منظّم نیٹ ورک تنخواہ دار ملازمین، اہلِ قلم، فلم سازوں، اشتہاری کمپنیوں، سینما گھروں، فوٹو سٹوڈیو، اخباری صنعت و ڈیو کیسٹوں اور ٹیلی ویژن کے کار پردازوں کے ذریعے قائم کیا گیا ہے۔ چناں چہ عریاں تصاویر اور ننگی فلموں کا ایک سیلاب مسلم معاشروں کی اخلاقی اقدار کو ڈبونے کے درپے ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

> ''عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجادات کی وجہ سے فحاشی کے ذرائع تشہیر میں سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ کا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن طرح طرح کی تفریح گاہیں، مثلاً رقص گاہیں، جنسی نمائش کے بازار، بڑے بڑے ہوٹل، نیز فلمی رسائل اور اخبارات آج بھی فحاشی کی تشہیر و ترویج کے موثر ذرائع ہیں۔''[۱]

امریکہ اور یورپ کے معاشرے بے حیائی، مادہ پرستی اور ہر طرح کی اخلاقی گندگی کا شکار ہیں، وہاں کے معصوم بچے اور عورتیں بھی اس ظلم کا شکار ہیں۔ حرامی بچوں اور اجڑے گھروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے، نت نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود امریکہ اور یورپ فحاشی اور عریانی کے سیلاب

۱۔ مولانا محمد خلیل، ذرائع ابلاغ کے عالم اسلام پر اثرات ماہنامہ چراغ اسلام، ص ۳۸

کو برآمد بھی کرتے ہیں تاکہ مسلم ممالک بھی اس انجام سے دوچار ہوں جس سے مغرب دوچار ہوا ہے۔ چناں چہ مغربی ممالک فحاشی کے فروغ کے لیے نت نئے طریقوں اور ایجادات سے کام لیتے ہیں مثلاً کیبل نیٹ ورک، کمپوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے فحاشی کے فروغ میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔

میڈیا کا دائرہ کار

میڈیا اور ذرائع ابلاغ کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ اس نے تمام شعبہ ہائے زندگی اور شعبہ جات کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی کی ایجاد سے پہلے اور ان کی ترقی کے موجودہ دور تک پوری تاریخ ایسی مثالوں سے پُر ہے جس میں ذرائع ابلاغ نے براہ راست اور بالواسطہ عوام الناس کو متاثر کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فی زمانہ جب تک ہم خبریں نہ پڑھ لیں اور سن لیں تمام دن ایک تشنگی اور ادھورے پن کا احساس رہتا ہے۔ یہ ایک صنعت کے طور پر ملک کی معیشت پر بھی اثر انداز ہے اور کسی ملک کے سیاسی نظام میں تو اس کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ میڈیا ملک کو مستحکم کرنے یا تبدیلیاں لانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

میڈیا کے اثرات ہماری زندگی کے تمام شعبوں پر واضح نظر آتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کسی قوم کا مزاج بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر انہیں مثبت مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو اتحاد و یک جہتی کی فضا بنا سکتے ہیں۔ اور اگر شرانگیزی کے لیے استعمال کیا جائے تو معاشرے میں بڑی تیزی سے انتشار وفساد برپا کر دیتے ہیں۔

طلعت افشاں فیروز لکھتی ہیں:

> ’’صحافت ایک بڑی قوت ہے جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی، یہ اگر ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی رہنمائی کر سکتی ہے۔‘‘ [۲]

تہذیب وتمدن کی بقا اور ترقی کا انحصار مضبوط میڈیا پر ہے۔ ثقافت وہ ورثہ ہے جو ادب، فن، معیشت، معاشرت، رسم و رواج، عقائد ونظریات وسائل و ذرائع اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے ہیں یعنی زندگی کے مختلف میدانوں میں ہم جو کچھ تخلیق یا تعمیر کرتے ہیں اور اس کے قیام کا انتظام کرتے ہیں وہ مستقبل کے لیے ہمارا ثقافتی ورثہ ہوگا۔

آج وہ قومیں جو میڈیا پر قابض ہیں اپنے مخصوص عزائم کی تکمیل اور مفادات کے حصول کے لیے دوسری قوموں خصوصاً مسلمانوں کی ثقافتی اقدار میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے ہر حربہ آزما رہی ہیں ان کا مقصد انسانیت کی بھلائی نہیں بلکہ ہماری پہنچان اور شناخت ختم کر دینا ہے تاکہ ہم ان کے دست نگر بن کر رہ جائیں اس ضمن میں ہمارا میڈیا ناکام ہے اسے اپنے عقائد ونظریات تہذیب وثقافت کو زندہ رکھنے، تحفظ دینے کا نہ کوئی سلیقہ ہے اور نہ ہی احساس زیاں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لیے کیا چھوڑ جائیں گے۔ مانگی ہوئی تہذیب وثقافت جس کا ہمارے دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

آج حال یہ ہے کہ یس، نو، تھینک یو، سوری ہی ہماری ترقی کا معیار ہے۔ خدا داد صلاحیت، ذہانت و قابلیت کے

۲۔ طلعت افشاں فیروز، میڈیا وار، ص ۱۴

کوئی معنی نہ رہے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں ذہنی اور عملی طور پر ہم محکوم ہو چکے ہیں۔

ذرائع ابلاغ اور پروپیگنڈا

ذرائع ابلاغ یا پروپیگنڈہ کی تعریف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دوسروں پر پروپیگنڈہ کے ذریعہ قابو پانا تاکہ ان کے طرزِ عمل اور سلوک کو تبدیل کیا جاسکے۔ پروپیگنڈہ میں متعین افکار و خیالات کو اس طرح پھیلایا جاتا ہے کہ دوسروں کی آرا یا سلوک یا دونوں کو متاثر کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر جو پروپیگنڈہ ہوتا ہے' اس میں کسی خاص حکومت کی پالیسی اور نقطہ نظر کو ادارے یا افراد اور ملک کے شہریوں تک منتقل کیا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ پروپیگنڈہ کا کام جو لوگ کرتے ہیں ان کی قومیت کیا ہے۔

میڈیا کے ماہرین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حکومتوں کی خارجہ پالیسی کے اجزائے ترکیبی میں ذرائع ابلاغ کو کلیدی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو عناصر خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں تاریخی پس منظر' جغرافیائی محل وقوع، آبادی، اقتصادی اور فوجی قوت کے ساتھ ساتھ نظریاتی عوامل و محرکات شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح اس ملک کا سیاسی نظام اور انتظامی صلاحیت بھی موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر خارجہ پالیسی کی تنقید کے کلیدی وسیلہ میڈیا کا سہارا لے کر فوجی، سیاسی، اقتصادی، نیز مقامی حالات کو سامنے رکھ کر پروپیگنڈہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ غیر حقیقی افکار و خیالات اور باطل عقائد و نظریات کو غیروں کے دل و دماغ میں اچھی طرح راسخ کر دیا جاتا ہے۔ پھر ان سے اسی وقت کام لیا جاتا ہے جب کوئی بحران سامنے آتا ہے۔ ایسے موقع پر اس ملک کی فوجی، اقتصادی اور سیاسی قوت اور اس ملک کی رائے عامہ کی نفسیاتی کیفیت و خصوصیت، نیز پروپیگنڈہ کے وسائل یہ سب مل کر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[۳]

پروپیگنڈہ کو کامیاب بنانے کے لیے طاقتور سیاسی پارٹیوں، ان کے قائدین، دانش گاہوں کے دانشور، عوام سے ربط اور اس ملک کی مقتدر اور نمائندہ شخصیتوں سے تعلق ضروری ہوتا ہے۔ اس قسم کے پروپیگنڈے صدیوں سے مسلم دنیا کے خلاف ہوتے آئے ہیں۔ درجِ ذیل مضمون بھی اسی طرح کے پروپیگنڈوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

ذرائع ابلاغ اور پروپیگنڈا کا امریکی منصوبہ

یو ایس نیوز اور ورلڈ رپورٹ (US News & World Report) نے اپنے 25 اپریل 2005ء کے شمارے میں ایک مقالہ شائع کیا۔ جس کا عنوان تھا ''دل، دماغ اور ڈالر'' اس مقالے کی تیاری اور تحقیق میں یو۔ ایس نیوز نے چار مہینے لگائے۔ انہوں نے تقریباً سو لوگوں سے انٹرویو کیے، اور تقریباً ایک درجن رپورٹوں پر غور کیا۔ اس کام پر عامر لطیف، کیون وائٹ لو اور جولین بیرین فائز تھے۔ انہوں نے باہمی تعاون سے یہ تحقیقاتی مضمون لکھا۔

اس مضمون میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں لکھا کہ امریکہ محض ایک تماشائی کی طرح بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا کہ وہ دین اسلام، جو سیاست اور مذہب کو ایک ہی نظام کا حصہ سمجھتا ہے، جس میں وہ لوگ بھی ہیں، جو انتہا پسند ہیں اور وہ لوگ بھی جو ایک معتدل رویہ رکھتے ہیں، جن کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے، انہیں مستقبل میں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس

۳۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی: سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار، ص ۱۰۸

سلسلے میں جس نتیجے پر یہ لوگ پہنچے، وہ یہ تھا کہ اپنا اثر و رسوخ، اسلام میں اصلاحات کے لیے استعمال کیا جائے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ 2004ء تک جو امریکی کاوشیں کی گئیں، ان میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مالی اور افرادی قوت کا فقدان تھا۔ اب اس کمی کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ اب اس اہم کام کی نگرانی کے لیے، ایک ڈپٹی نیشنل سیکورٹی مشیر برائے منصوبہ بندی و اطلاعات اور عالمی اثر و رسوخ کی اہمیت کا حامل ایک عہدہ رکھا گیا، جو وائٹ ہاؤس سے منسلک ہوگا۔ اس میں وہ تمام افراد شامل ہونگے جن کا تعلق فوجی اور نفسیاتی کارروائیوں سے ہوگا۔ سی آئی اے (CIA) کی کارروائیاں خفیہ تو ہوتی ہی ہیں۔ لیکن اب اس کام کے لیے وہ کھلم کھلا میڈیا کے افراد اور دیگر اصحاب فکر کو بھی بھاری رقوم دے رہے ہیں۔ واشنگٹن والے کروڑوں ڈالر اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ مسلم معاشرے پر اپنا اثر و رسوخ بڑھائیں۔[۴]

خبردار! اب ہدف صرف مسلمان نہیں بلکہ دین اسلام ہے۔ امریکہ نے اعلان کیا کہ وہ اسلام کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ میں جو لوگ اس تحریک کے بانی ہیں وہ اس سے پہلے یہی حرکت، عیسائی مذہب کے ساتھ کر چکے ہیں۔ آج اسی کام کی برکت سے یورپ اور امریکہ میں گرجا گھر بک رہے ہیں اور لوگ اپنے مذہب سے بے زار ہوگئے ہیں۔ اسلام کو بھی وہ یہی تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ اس تحریک کے سب سے سرگرم حامی اور محرک کونڈا لیزا رائس، پاول ولفووچ اور کرن ہیوز ہیں۔ (کرن ہیوز عرصہ دراز سے صدر بش کی ابلاغیات کی مشیر رہی ہیں) یہ خاتون اب اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (امریکی وزارتِ خارجہ) کے پبلک ڈپلومیسی شعبہ کی سربراہ بنا دی گئی ہیں، حالانکہ انہیں خارجہ معاملات کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ البتہ انہیں اطلاعات اور نشریات میں خاص تجربہ ہے۔ دراصل یہی ان کے عروج کا زینہ ہے

امریکہ کے نئے اہداف

اس رپورٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ ماضی میں امریکہ کی یہ کارروائیاں 2004ء کے وسط تک مکمل طور پر باہمی رابطے قائم نہ کر پائیں، نہ اس کے پاس ان کے لیے رقم تھی۔ اب ایک نیشنل ڈپٹی سیکورٹی مشیر کے تقرر سے یہ کمزوریاں دور کر دی گئیں ہیں اور کانگریس نے اس کے لیے رقم مختص کر دی ہے۔ اب یہ پروگرام زور وشور اور سرگرمی سے چلایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے صدر بش نے سی آئی اے، کو حکم دیا تھا کہ اسلامی دہشت گردی کی جڑوں تک پہنچ کر اس کی مکمل بیخ کنی کر دی جائے۔ اس نئی تدبیر کو وائٹ ہاؤس میں 'اسلامی دنیا میں نفوذ' کا نام دیا گیا ہے۔ اس پالیسی پر، وائٹ ہاؤس اور تمام امریکی حکومت عمل پیرا ہے۔ اس پالیسی کے نمایاں اہداف (targets) درج ذیل ہیں۔

۱۔ معلوم کیا جائے کہ عالمِ اسلام میں کیا ہو رہا ہے؟ باخبر رہنا۔

۲۔ بنیادی مقصد، مغربی لادینی (سیکولر) جمہوری نظریات کی اشاعت و ترویج ہے۔

۴۔ انعام خواجہ، نیا امریکی محاذ برائے تحریفِ اسلام۔ دل۔ دماغ اور ڈالر کے ذریعے یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ ۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء کی تلخیص روزنامہ جنگ۔۱۰ جون ۲۰۰۰

۳۔ آزادیِ نسواں پر زور دینا، خاص طور پر عورتوں کے حقوق اور ان کا آزادی پرمخلوط میل ملاپ پر زور دینا۔

۴۔ نجی فاؤنڈیشن اور غیر منافع بخش انجمنوں (.N.G,Os) کے ذریعے سے، مسلم ریاستوں کی مدد کرنا۔

۵۔ مسلمان نام نہاد اعتدال پسندوں کے ہاتھ مضبوط کرنا۔

۶۔ صیہونی تحریکوں کے ذریعے، اسلام میں اصلاحات کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۷۔ الاخوان المسلمون کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرنا۔

۸۔ پاکستان میں دیوبندی جماعت کے ساتھ تعلقات استوار کرنا۔

۹۔ پاکستانی علماء کی مالی معاونت، تاکہ اپنے مطلب کے ایسے فتوے لیے جاسکیں جو امریکی مفاد میں ہوں۔

۱۰۔ فرضی جہادی تنظیمیں قائم کرنا، تاکہ ان میں داخل ہونے والے مخلص مجاہدین کو بھانپا جاسکے۔

۱۱۔ مدارس کا اثر ختم کرنے کے لیے ابتدائی اسلامی اسکول قائم کرنا، خاص کر پاکستان اور انڈونیشیا میں۔

۲۲۔ مسلم ممالک میں تدریسی نصاب کو تبدیل کرنا۔

۱۳۔ مسلم مفکرین میں اثر ونفوذ پیدا کرنا۔

۱۴۔ امریکی امداد کے ذریعے مسلمانوں کے متبرک مقامات کی مرمت اور آرائش ، اسلامی مخطوطوں کی مرمت اور حفاظت، قرآن مجید کے پرانے اوراق، بوسیدہ کلام مجید کی حفاظت، اعتمادسازی کے ایسے کئی کام کرنا، جو پہلے پاکستان، مصر، ترکمانستان، کرغزستان اور ازبکستان میں شروع کیے جاچکے ہیں۔

۱۵۔مساجد کے اماموں کو تربیت دینا، یہ کام بنگلہ دیش میں ہورہا ہے۔

امریکہ کا یہ ہمہ جہتی پروگرام شروع کیا جاچکا ہے، تاکہ اسلام کے خدوخال مکمل طور پر تبدیل کردیے جائیں۔ جس کا ذکر ابھی کیا جاچکا ہے۔ اس کے لیے اہداف مقرر کیے گئے ہیں، افرادی قوت اور رقوم مختص کردی گئی ہیں۔ اب پورے جوش وخروش سے اس پر عمل درآمد ہورہا ہے۔

اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ مصر میں یو۔ایس۔ایڈ، اپنا عوامی سفارتی محکمہ قائم کرچکا ہے۔ انڈونیشیا میں 30 مسلم ادارے، یوایس ایڈ (US AID) سے رقم وصول کررہے ہیں۔ جو مندجہ ذیل پروگرام چلا رہے ہیں۔

☆ میڈیا پروڈکشن

☆ ورکشاپ برائے اسلامی مبلغین

☆ اسکولوں کی نصابی اصلاحات

☆ دیہاتی اسکول اور اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام

☆ اسلامی رواداری پروگرام، چالیس شہروں میں نشر کیا جارہا ہے۔[۵]

اسلام کو 'آزاد خیال مذہب' اور 'لادین سیکولر جمہوریت' کے طور پر پیش کرنے کی تحقیق کے لیے امداد دی جارہی

۵۔ مولانا نذرالحفیظ ندوی: سیکولر میڈیا کا شرانگیز کردار، ص ۹۱۰۸-۷۔ انعام خواجہ، نیا امریکی محاذ برائے تحریفِ اسلام۔ دل - دماغ اور ڈالر کے ذریعے یوایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ ۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء کی تلخیص روزنامہ جنگ۔ ۱۰جون ۲۰۰۰

ہے۔ ہمارے ملک کی 'روشن خیالی' بھی اسی پروگرام کا شاخسانہ ہے۔

امریکی افسران، مختلف ذرائع سے مدارس کے لیے ریاضی، سائنس، صحت اور شہری حقوق کے لیے اساتذہ مہیا کررہے ہیں۔ اسی مضمون میں بیان کیا گیا ہے کہ لبنان میں شام مخالف مظاہروں کے پس پردہ کن لوگوں کا ہاتھ تھا۔ یہ سی آئی اے کی ایک کامیاب خفیہ کاروائی اور عوامی سفارتی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

تاریخ کا سبق

پچھلی صدیوں میں یورپ کی اتحادی قوتوں نے بھی، مسلم امہ کو اپنا غلام بنا کر ان کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کے لیے زیر کیا۔ انہوں نے ان ممالک میں اپنی مغربی ثقافت متعارف کرانے کی خوب کوشش کی، لیکن انہوں نے اسلام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی۔ مسلمانوں پر سب سے زیادہ قیامت منگولوں نے ڈھائی، جب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مارے گئے۔ ان کی کتابیں اور لائبریریاں نذرِ آتش کی گئیں۔ ہزاروں علماء شہید کیے گئے۔ لیکن ان لوگوں نے اسلام میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی۔ بالآخر منگول خود اس دین کے غلام ہوگئے۔ اور مشرف بہ اسلام ہوکر اس کے سب سے بڑے محافظ بنے۔

اِسلام میں جو فتنہ بھی اٹھا، اسلام کے اندر سے اٹھا۔ جہمیہ کا فتنہ قدریہ، جبریہ، خوارج اور مرجۂ وغیرہ، اسلام میں پیدا ضرور ہوئے۔ لیکن ان کا سدباب بھی مسلم ائمہ نے کر دیا۔ مندرجہ بالا فتنوں کو امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اپنے علم اور حسنِ تدبیر سے ختم کیا۔ عباسی خلفاء کے دور میں معتزلہ کا بڑا پرچار رہا، اور انہوں نے خلقِ قرآن کا مسئلہ اٹھایا۔ لیکن امام احمدؒ نے اس فتنے کو باطل قرار دینے کے لیے پرزور دلائل دیے۔ اس لیے یہ اپنی موت آپ مرگیا۔

امام بخاریؒ، مسلمؒ، احمدؒ، اسحاقؒ بن راہویہؒ، ابن ماجہؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، بیہقیؒ محدثین نے سنت سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان میں اپنی طرف سے خرابیاں پیدا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کر کے ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی اور امہ کی سنت پر رہنمائی کی۔ امام غزالیؒ نے اسلام پر یونانی فلسفے کے اثر ونفوذ کا مقابلہ کیا اور چار صدیوں کے اجتہاد کے بند دروازوں کو کھولا۔ انہوں نے اخلاقیات اور بلند اقدار کے اصول دوبارہ نافذ کرنے پر بھی زور دیا۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے وحدتِ وجود، منصوریات اور باطنیات کے باطل نظریات کے لیے منطقی دلائل دے کر ان نظریات کا توڑ کیا۔ دسویں صدی میں شہنشاہِ اکبر کے دینِ الٰہی کے ابطال کے لیے مجدد الف ثانیؒ نے قید و بند کی مصیبتیں سہیں اور اس باطل مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ یہ ان کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ برِصغیر کے مسلمان اس فتنے سے نجات حاصل کر سکے۔ مغل سلطنت کے زوال کے دور میں، جب استعماری طاقتیں اوور ان کے مشنری، ہندوستان میں اپنے اثرات پھیلا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر توجہ فرمائی۔ شریعت کی پابندی، قرآن وسنت کی تعلیمات کی تبلیغ ہوئی اور اس کے اثر سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بچایا۔

بیسویں صدی میں سیکولرازم، سرمایہ دارانہ نظام، سوشل ازم اور اشتراکیت کے باطل نظریات مسلم امہ پر اثر انداز ہورہے تھے۔ دوسری جانب نیشنل ازم کے فتنے نے مسلم امہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ جمال الدین افغانیؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا مودودی اور سید قطب شہیدؒ نے آگے بڑھ کر ان فتنوں کو ختم کیا۔ مسلم امہ میں ایک امت ہونے کا احساس، اپنی شناخت اور خوداعتمادی پیدا کی۔ ایران میں امام خمینی کے پرامن اسلامی انقلاب نے ایران کو اقوام عالم میں ایک منفرد مقام کیا۔

سابقہ اور موجودہ چیلنج کی نوعیت میں فرق

یہ تو وہ دور تھا، جس میں ہمارے علماء اور مدارس نے اسلام کی مشعل روشن رکھی۔ اسلامی امہ کو ان چودہ سو چھبیس سالوں میں اس نوعیت کا خطرہ کبھی پیش نہ آیا تھا۔ جو اس خوفناک امریکی منصوبے کے ذریعے اب کرنے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ یہ کارروائی ایک ایسی قوم کی طرف سے کی جا رہی ہے، جو انتہائی ظالم اور جابر ہے۔ جس نے جاپان کے نہتے شہریوں پر دو ایٹم بم برسا کر شہروں اور معصوم شہری آبادیوں کو ہلاکت میں مبتلا کیا۔ یہ وہ قوم ہے، جس نے فلسطین کے سینے میں اسرائیل کا خنجر گھونپا۔ جس نے بہت سے افغانوں کو انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنایا۔ محض ایک مفروضے پر بستیوں کو ویرانے میں تبدیل کر دیا۔ بوڑھے، بچے اور عورتیں ان مظالم کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ دہشت گردی کی مذمت کرنے والے، دنیا میں سب سے زیادہ وحشی اور خونخوار دہشت گرد ہیں۔ افغانستان اور عراق کے ستم رسیدہ شہر، آج دنیا کے ضمیر کو پکار رہے ہیں، لیکن ان کے ظلم کی تصویریں بھی عالمی ضمیر کو بیدار نہ کر سکیں۔ ہمارے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

اور اب تو مغربی دنیا ذرائع ابلاغ کے ذریعے مکمل طور پر پوری دنیا پر چھائی جا رہی ہے اور اب ذرائع ابلاغ بھی اقوام کی تقدیروں کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ وہ ایسی پالیسیاں بنا رہے ہیں جو ان کے مفادات کی حفاظت کرتی ہیں اور اسلامی تہذیب وشناخت کی بیخ کنی کر رہی ہیں۔ اب ہم ان پالیسیوں پر ایک سرسری نگاہ دوڑاتے ہیں کہ وہ کس طرح سے اثر انداز ہو رہی ہیں۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان ان افہام وتفہیم اور رابطہ وتعاون کے سلسلہ میں مغربی میڈیا کے رول پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی بنیادی پالیسی پوری طرح ان کے قومی مفاد اور مصالح کے ماتحت ہے، کوئی خبر خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو یا بڑی ہو، اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، یہاں تک کہ تصویریں اور کارٹون بھی مغربی میڈیا کے مالکوں کے مذہبی اور قومی مفادات کے ترجمان ہوتے ہیں۔

جب سے ذرائع ابلاغ کو یہودیوں نے دوسرا بڑا ستون قرار دیا ہے اور وہ اس پر پوری طرح قابض ومتصرف ہوئے ہیں۔ اس وقت سے یکطرفہ ٹریفک کے اصول پر یہودی افکار وعقائد ہی کو پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ پورے وثوق واعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں پچانوے فیصد میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور وہی پوری دنیا کی ذہن سازی کا کام کر رہے ہیں۔ وہ جدھر چاہتے ہیں اسی طرف رائے عامہ جھکتی ہے۔ یہودیوں کی پسند پوری دنیا کی پسند، ان کا ذوق پورے عالم کا ذوق، اور ان کی کراہیت ونفرت کا جو نشانہ بنتا ہے پوری دنیا اس سے نفرت کرتی اور اس کے وجود کو ملیا میٹ کرنے کے لیے پوری قوت سے تیار رہتی ہے۔ یہودی دماغوں سے نکلے ہوئے افکار وخیالات چاہے ان کا تعلق تہذیب وتمدن سے ہو یا سیاسیات واقتصادیات سے، معیار زندگی یا فیشن اور لباس کے تراش خراش اور رنگ وبو سے، پوری مہذب دنیا اس کے پیچھے دیوانوں کی طرح لگ جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا اپنا دین وایمان قرار دیتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے، اس لیے کہ ذرائع ابلاغ اور اقتصادیات جیسے دو مضبوط ومستحکم ستونوں پر ان کی عمارت قائم ہے۔[٦]

مغربی ملکوں کے پالیسی ساز اپنے سازشی منصوبوں کو ہر پہلو سے تیار کر کے نیوز ایجنسیوں کے حوالے کر دیتے ہیں

٦۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی: سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار، ص ۱۱۰

جہاں سے ایک خاص مدت تک مختلف زاویوں سے اس منصوبہ سے متعلق خبریں شائع کی جاتی ہیں، پھر ان کا تحلیل و تجزیہ سیاسی و اقتصادی ماہرین، سفارتی اور خصوصی نامہ نگاروں کے قلم سے کرایا جاتا ہے۔ راہ چلتے لوگوں کو سماجی کارکن، یونیورسٹی کے پروفیسروں کو دانشور اور عوامی نمائندہ بنا کر اپنے مخصوص نقطہ نظر کی تائید و حمایت میں ان سے انٹرویوز اور بیانات لیے جاتے ہیں۔

مغربی ملکوں نے اسلامی ملکوں پر بجائے فوجی حملے کے میڈیا کو اسلحہ کا درجہ دے دیا ہے۔ اسی کو وہ ایسی جنگی مہارت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ گھر بیٹھے عالم اسلام میں خصوصاً اور ترقی پذیر ملکوں میں عموماً، عوام اور حکومت کو متحارب فریقوں میں تقسیم کر کے خون ریزی کراتے ہیں۔ اس تکنیک کی مثالوں سے اسلامی ملکوں کی پچاس سالہ تاریخ بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر عالم عربی میں سیاسی انتشار اور خانہ جنگی و برادر کشی کے لیے فوجی انقلاب کا سہارا، مصر و شام، عراق، الجزائر اور تیونس میں اخوانیوں کے گھیرے اور ہمہ گیر اثرات کو ختم کرنے کے لیے اخوان ہی کے نام سے ریڈیو اسٹیشن قائم کیے گئے۔ جہاں سے اخوانیوں کے دینی پروگرام نشر کیے جاتے تھے، اور ان ہی اسٹیشنوں سے عرب حکومتوں کے خلاف مسلح بغاوت پر آمادہ کیا جاتا تھا۔ ۷

آج کل ذرائع ابلاغ پر نام نہاد ماہرین نفسیات اور ماہرین عمرانیات نفسیاتی اور عمرانی مسائل کی تشریحات خالصتاً سیکولر انداز سے کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سگمنڈ فرائڈ، گسٹ کومٹے، ڈارون اور روسو کے افکار سے بری طرح متاثر ہیں۔ جبکہ فکر محمدیؐ کی ان کو ہوا تک نہیں لگی۔ موضوعات کے حوالے سے یہ پروگرام انتہائی متنازعہ ہیں کیونکہ اس میں زیر بحث آنے والے موضوعات معاشرے میں بے حیائی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

حیا کے کلچر کا خاتمہ

’حیا‘ اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے اور یہ پروگرام اسی تصور کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ مغرب کے پاس تو ’حیا‘ کے مقابلے میں انگریزی کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ اس لیے ’حیا‘ کے لیے انگریزی میں Modesty کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ قریبی مفہوم کا ترجمہ ’شرم‘ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ حیا اور چیز ہے اور شرم بالکل الگ چیز ہے۔ حیا ایک نہایت جامع اصطلاح ہے۔

پرائیویٹ چینلز کے مختلف نوعیت کے پروگراموں میں سب کے سامنے فحش باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو اسلامی تصور حیا اور نظام اخلاق سے قطعاً ہم آہنگ نہیں بلکہ متصادم ہیں۔ جیسے پروگرام میں شادی سے پہلے جنسی تعلقات، جنسی تعلیم، فیملی پلاننگ، ہوس پر مبنی محبت سے پیدا ہونے والے مسائل اور محرکات کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔ ایک ٹی وی پر جنوری 2005ء کے ایک پروگرام میں بہن اور بھائی کے مابین ناجائز جنسی تعلقات پر بحث کی گئی۔

پروگرام ہونے سے پہلے اعلان کیا جاتا رہا کہ یہ پروگرام حساس موضوع پر ہے اس لیے نابالغ بچے، بچیاں نہ دیکھیں۔ اس تشہیر سے جنھوں نے نہیں دیکھنا تھا انہوں نے بھی دیکھا۔ روشن خیال میزبان خاتون نے وہ خطوط پڑھ کر سنائے

۷۔ سیکولر میڈیا کا شرانگیز کردار ص ۱۱۲

جس میں بہن اور بھائی کے درمیان ناجائز تعلقات کا ذکر تھا۔ اس کے بعد ماہرین نفسیات اور ماہرینِ عمرانیات نے اخلاق سے عاری عمرانی اصول کے مطابق اس کا حل پیش کیا، جس میں ایک حل یہ بھی تھا کہ ''مانع حمل ادویات کے استعمال سے حمل نہ ہونے دیا جائے۔''[۸]

خدارا سوچیے! اسلامی معاشرے میں اس طرح کے پروگرام کو نشر کرنا سیکولر انتہا پسندی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ایک لمحے کے لیے مان بھی لیا جائے کہ 0.0001 فیصد ایسے روسیاہ لوگ موجود بھی ہوں تو بھی چودہ کروڑ مسلمان پاکستانیوں کے سامنے ٹی وی پر کھول کھول کر بیان کرنا بدترین بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ اگر برائی محدود ہے تو اسے محدود ہی رکھو۔ رسولؐ خدا نے اس شخص کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جو چھپی ہوی برائی کو پبلک میں کھول کر بیان کرے۔

بے حیائی کو فروغ دینے کے مغربی تصور کے نتیجے میں جب لوگ اس طرح کی باتیں بیان کرکے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں تو معاشرے میں برائی کا خوف کمزور پڑ جاتا ہے، اور اسکی دہشت کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے بے حیائی پر مبنی برائی کو حتی الامکان روکنے (چھپانے) کا حکم خود شریعت محمدیؐ نے دیا ہے۔

اور ہماری اسلامی تعلیمات میں ہے کہ جس طرح غلط بات پھیلانا غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اسی طرح خلاف حقیقت گمراہ کن اور تہذیب و شائستگی کے منافی اطلاعات و خیالات جن سے فسادنی الارض کا اندیشہ ہو صحیح نہیں ہو سکتا۔ حالات و واقعات اور حقائق کی خبر بلاشبہ ذہنوں کے لیے روشنی کی مانند ہے۔ لیکن جن اطلاعات سے ذہنوں میں اجالے کے بجائے اندھیرا چھا جاتا ہو، ان کو عام کرنا بھی کوئی اچھا فعل نہیں۔ میڈیا کے ذریعے یہ دونوں کام کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اچھا اور اسلامی میڈیا وہی ہے جو ذہنوں میں اجالا کرے۔ روشنی سے محروم لوگوں کو روشنی مہیا کرنا ایک عظیم الشان کام ہے۔

دینی شعائر کی تضحیک

اسلامی شعائر کا مضحکہ اڑانے اور اسلامی اَقدار کے خاتمے کی کوششیں تو صدیوں سے جاری ہیں۔ طے شدہ اُمور کو از سرنو متنازعہ بنانے کے لیے بھی بڑا سر مارا جاتا رہا ہے۔ مگر 'عہدِ جدید' اِن کوششوں میں نئی تیزی اور جدّت بھی لایا ہے اور بے پناہ وسائل بھی۔ ذرائع ابلاغ کی مسلسل ترقی، ہمہ گیری اور رسائی نے اِن کوششوں کو دو آتشہ بھی کر دیا ہے اور اِس کے وار کو زیادہ کارگر اور موثر بھی بنا دیا ہے۔ گویا میڈیا کے ذریعہ مسلم سوسائٹی، مسلم ذہن، مسلم نفسیات، مسلم شخصیت، غرض پوری مسلم دنیا کی 'تشکیلِ نو' کی چوتھی عالمی جنگ چھیڑ دی گئی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہی درمیان کچھ کلمہ گو اِس ابلیسی لشکر کا ہراول دستہ بنے ہوئے ہیں۔

نیو یارک ٹائمز جس کی اشاعت تقریباً سولہ لاکھ پچاس ہزار ہے اس نے اس مہم کے حق میں جولائی 2006ء کو سلمان مسعود کا ایک کالم درج ذیل عنوان کے ساتھ چھاپا ہے۔

(جیو) ''ٹی وی پر ہونے والی بحث کے بعد پاکستان زنا بالجبر کے مقدمات درج کرنے کے حوالے سے قوانین

۸۔ اطہر وقار عظیم ''جیو ٹی وی کے پروگرام ایک جائزہ'' ص۱۰

میں نرمی کر سکتا ہے۔'' ۹

انٹرنیشنل ہیرلڈٹر بیون جس کی اشاعت چار لاکھ پچاس ہزار سے زائد ہے۔ نے 9 جولائی 2006ء کی اشاعت میں یہ سرخی جمائی ہے۔ "In Pakistan, Media Chief Criticizes Islamic Law" (پاکستان میں میڈیا چیف نے اسلامی قوانین کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے) ۱۰

اسی طرح سان فرانسکو، شگاگو جس کی اشاعت پانچ لاکھ چالیس ہزار سے زائد ہے، اس نے یہ سرخی جمائی ہے۔

Pakistan ponders alterning Islamic Rape Law. Hudood Ordinances oppress women, say Right Advocates.

ریلیجین نیوز سروسز میں جے ایڈورڈ نے 17 جولائی 2006ء میں درج ذیل عنوان کے تحت کالم لکھا ہے۔

Pakistan Moving to Revise Ilamic Law. (پاکستان اسلامی قوانین میں ترمیم کی طرف بڑھ رہا ہے) ۱۱

رینڈ کارپوریشن کی رپورٹس اور ذرائع ابلاغ کا کردار

RAND کارپوریشن نے 2003ء میں منظر عام پر آنیوالی ایک تفصیلی رپورٹ بعنوان Civil Democratic Islam: Partners, Resources & Strategies میں اُمّتِ مسلمہ کو 4 حصوں میں تقسیم کیا یعنی بنیاد پرست، روایت پرست، جدت پسند اور سیکولرسٹ۔ رینڈ کارپوریشن نے اپنے لائحہ عمل میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ جدت پسند حضرات کو سب سے زیادہ سپورٹ دی جائے۔ ان کا علمی کام ارزاں نرخوں پر تقسیم کیا جائے۔ جدت پسندوں کو نوجوانوں اور عام افراد کے لیے لکھنے پر راغب کیا جائے۔ ان کے نظریات کو نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔ ان کو اپنے نظریات کے اظہار کے لیے پبلک پلیٹ فارم مہیا کیا جائے۔ ان کے ذریعے اسلام پرستوں اور بنیاد پرستوں کی اسلامی تشریحات کو چیلنج کیا جائے اور ان میں ضروری ترامیم کروائی جائیں۔ نوجوانوں کے سامنے لبرل کلچر کو متبادل کلچر کے طور پر پیش کیا جائے۔ ۱۲

رپورٹ میں ایک اور لائحہ عمل تحریر ہے وہ یہ کہ بنیاد پرستوں کو ہر طرف سے گھیرا جائے اور معاشرے میں ان کی عزت اور مقام کو زک پہنچائی جائے۔ مثلاً ان کی کمزوریوں کو اجاگر کیا جائے، دہشت گرد گروہوں سے ان کے تعلقات کو ثابت کیا جائے، انہیں لڑاکا، جنگجو اور ہنگامہ پسند افراد کے طور پر سامنے لایا جائے۔ اس بات کو ثابت کیا جائے کہ وہ اچھے منتظم نہیں بن سکتے۔ نوجوانوں کو ان سے متنفر کیا جائے۔ میڈیا کے ذریعے ان کے کردار کو زیرِ بحث لایا جائے، انہیں معاشرتی لحاظ سے کم تر درجے کے طور پر پیش کیا جائے۔ ان کی تقسیم در تقسیم کو سپورٹ کیا جائے اور اس بات کو ثابت کیا جائے کہ ان میں (بقول رینڈ رپورٹ) منافقت، کرپشن اور گمراہ کن عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

رینڈ کارپوریشن کی 2006ء کے وسط میں ایک اور رپورٹ بعنوان Building Moderate Muslim Net

---

۹ Salman Masood: New York Times July 2006

۱۰ International Herald Tribune. 9 July 2009.

۱۱ J. Edward Religion News Services: 17 July 2006

۱۲ Civil Democratic Islam Partners, Resources and strategies, Rand Corporation Report, 2003

work منظر عام پر آئی۔اس رپورٹ میں امریکی تھنک ٹینک نے 5 ایسے شعبے دریافت کیے جو ان کے ایجنڈے کو مسلم دنیا میں آگے بڑھا سکتے ہیں۔۱۳

1۔آزاد خیال (لبرل) سیکولر تعلیمی طبقہ اور دانشور

2۔نسبتاً کم عمر میانہ رو مذہبی رہنما

3۔معاشرتی کارکنان

4۔جنسی مساوات پر یقین رکھنے والی خواتین انجمنیں

5۔موڈریٹ صحافی ،لکھاری اور کالم نگار

اس کام کے لیے 4 سیکٹرز طے کیے گئے۔سب سے پہلے معاشرے میں جمہوری تعلیمات کو اسلامی تعلیمات کے طور پر فروغ دینا۔ دوسرا میڈیا کے ذریعے جمہوریت مخالفت، رجعت پسند مذہبی طبقے سے لڑائی لڑی جائے۔ تیسرا سیکٹر جنسی مساوات اور چوتھا سیکٹر ان کی پالیسی کے وکیلوں کا ہے جو موڈریٹ تصورات کا بخوبی دفاع کر سکیں۔

اس پورے کام کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آزاد خیال، لبرل مسلمانوں اور موڈریٹ مسلمانوں کے درمیان خوشگوار، گہرے تعلقات قائم کیے جائیں۔اس مقصد کے لیے ان کو بین الاقوامی طور پر منظم کیا جائے اور مسلمانوں کی تاریخی شکست کے علامتی نشان ہسپانیہ میں ان کا اجتماع منعقد کروایا جائے۔

چند اہم ذرائع ابلاغ اور ان کا جائزہ

۱- ٹیلی ویژن:

میڈیا میں سب سے پہلا نمبر ٹیلی ویژن کا ہے۔سب سے پہلا کام یہ کریں کہ دوبارہ ٹیلی ویژن کبھی نہ دیکھیں ۔ ٹیلی ویژن آپ کے ذہن اور جسم کو منجمد کر دیتا ہے۔اگر آپ کا بچہ ایک سال سے زیادہ عمر کا ہے تو اس بات کو خود ہی آزما سکتی ہیں۔بچوں کو ٹیلی ویژن کے سامنے بٹھائیں ۔ وہ اس طرح بیٹھے رہیں گے جیسے مسمریز ہو چکے ہیں۔ وہ واقعتاً طویل عرصہ تک ساکت و جامد بیٹھے رہتے ہیں۔

ٹی وی کے بارے میں علما کے دو نقطہ ہائے نظر

ٹیلی ویژن کے مسائل کے بارے میں عطریف شہباز ندوی لکھتے ہیں کہ ٹیلی ویژن کے مسئلہ میں دو بنیادی باتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ جو چلتی پھرتی صورتیں ناظرین دیکھتے ہیں کیا ان پر تصویر کشی کی ممانعت (جو احادیث میں آئی ہے) کا اطلاق ہوگا یا نہیں۔۱۴

ٹیلی ویژن کے ساتھ دوسری مشکل یہ ہے کہ اس کا استعمال زیادہ تر تفریح ،تجارتی اشتہارات ،فلموں اور ڈرامہ سیریلز کے لیے ہوتا ہے۔جن میں اکثر عورتوں کی عریاں تصاویر کی اشاعت ہوتی ہے، بے ہودہ اور فحش مناظر دکھائے جاتے

---

۱۳ Building Moderate Muslim Network Report Rand Corporation 2006.

۱۴۔ عطریف شہباز ،ندوی: ٹی وی آلۂ لہو ولعب ہے؟ ماہنامہ آئین اگست ۲۰۰۵ء ص ۵۱

ہیں۔ یہ وہ برائی ہے جس نے پورے معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی قباحت و شناعت میں کوئی دورائے نہیں کہ اباحیت زدہ ذہن کے علاوہ کوئی بھی اس کو جائز تصور نہیں کرسکتا۔۱۵

مولانا وحیدالدین خاں لکھتے ہیں:

''ٹی وی ایک خدائی طاقت کا ظہور ہے وہ خدا کے بنائے ہوئے فطری قانون کا استعمال ہے، ٹی وی کا طریقہ امکانی طور پر خود خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں چھپا ہوا ہے۔ انسان کا حصہ اس میں صرف اتنا ہے کہ اس نے اس کو دریافت کرکے اسے استعمال کیا۔ ٹی وی کی ٹیکنالوجی اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا کی دین ہے نہ کہ کسی دشمن اسلام کی دین۔''۱۶

ٹی وی کے اثرات

بالغ افراد کے لیے بھی ٹیلی ویژن بہت برے اثرات رکھتا ہے۔ اگر کوئی خبر نہ ہو، (اور یقیناً اچھی خبر نہیں ہوتی) تو پھر شام کی خبریں ڈیپریشن طاری کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ اگر آپ خوش باش رہنا چاہتی ہیں تو خبریں دیکھنا سننا چھوڑ دیجیے۔ آپ ٹیلی ویژن کے ڈبے سے 'معلومات' کا بہاؤ اپنی زندگی میں اترنے سے نہیں روک سکتے۔

ٹیلی ویژن کا ایک منفرد پہلو اس کا تیزی سے اثر انداز ہونا ہے۔ ٹیلی ویژن پہ جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ لوگوں کا ذہن فوراً قبول کر لیتا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ فرضی اور محض ڈرامائی ہے۔ 1977ء میں جیری مینڈر نے ایک کتاب Four Arguments For the Elimination of Television شائع کی تھی۔ اس کی اشاعت کے بعد اس ریسرچ پر نظر ثانی کی گئی کہ طویل عرصہ تک غیر فعال رہنا دماغ کو استغراقی حالت میں لے جاتا ہے۔ چنانچہ یہ خارجی اثرات اور تحریکات قبول کرنے میں زودحس ہو جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ اگرچہ اس کے پروگرام عام طور پر لوگوں کو نظریاتی بنانے کے لیے نہیں ہوتے لیکن ہم پیش کی جانے والی باتوں کو حقیقت مطلق سمجھ کر تسلیم کر لیتے ہیں۔ ٹیلی ویژن نہ صرف آپ کے اردگرد کی دنیا کی غلط تصویر پیش کرتا ہے بلکہ یہ آپ کو اپنے بارے میں بہت کم سوچنے کا عادی بنا دیتا ہے۔ اس لیے کہ یہ آپ کے اور دیکھے جانے والی دنیا کے درمیان ایک غلط موازنہ مرتب کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ آپ پر ایسی مصنوعی زندگی کی بمباری کی جاتی ہے جس میں وہ لوگ اور واقعات ہوتے ہیں جن سے آپ شناسا نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ آپ کو روزانہ ٹیلی ویژن کے سامنے کئی گھنٹوں کے لیے صوفے پر منجمد کر دیا جاتا ہے۔

عطیہ منیرہ صاحبہ ایک انگریزی کتاب Four Reasons for the Elemination of T.V کے ترجمہ کی تلخیص کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

کتاب کے مصنف اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''ان برسوں میں جب اس کتاب کی تیاری میں مصروف تھا اور اس کے کچھ حصے شائع ہوئے تو اس پر مجھے قارئین نے خطوط تحریر کیے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ٹی وی ناظرین اپنے اس تجربے کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ٹی وی دیکھتے ہوئے کیا محسوس کرتے ہیں۔

۱۵۔ عطریف شہباز ،ندوی: ٹی وی آلۂ لہو ولعب ہے؟ ماہنامہ آئین اگست ۲۰۰۵ء ص ۵۳ ۱۶۔ ایضاً

میں نے تقریباً دو ہزار کے قریب افراد کے ان احساسات کو ریکارڈ کیا۔ ان میں سے چند منتخب جملے آپ کے لیے پیش کر رہا ہوں اس سے آپ کو محسوس ہوگا کہ ایک مشین انسانیت پر حملہ آور ہوئی اور اس نے افراد کو اپنے قابو میں لے کر انہیں مردنی سے دوچار کر دیا۔ جملے کچھ یوں ہیں:

۱۔ جب میں ٹی وی دیکھتا ہوں تو میں ہپناٹائز سا ہو جاتا ہوں۔
۲۔ ٹیلی ویژن میری توانائی نچوڑ دیتا ہے۔
۳۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹی وی میری برین واشنگ کر رہا ہے۔
۴۔ ٹی وی ایک نشہ ہے اور میں اس نشے کا عادی ہو چکا ہوں۔
۵۔ ٹی وی نے میرے ذہن کو تباہ کر دیا ہے۔
۶۔ میرے بچے ایسے چلنے لگے ہیں جیسے کوئی سوتے میں خواب دیکھتا ہوا چل رہا ہوتا ہے۔
۷۔ ٹی وی عوام کو بے وقوف بنا رہا ہے۔
۸۔ جب ٹی وی چل رہا ہوتا ہے تو میرے لیے یہ مشکل ہو جاتا ہے کہ میں سکرین سے نظریں ہٹا لوں۔
۹۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں اپنے بچوں کی جان ٹی وی سے کس طرح چھڑا کر انہیں زندگی سے ہم آہنگ کروں۔''

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے بیٹے نے مجھ سے کہا: ''میں ٹی وی نہ دیکھنے کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں اسی قدر اس میں ناکام ہو جاتا ہوں۔ اور ٹی وی مجھے پروگرام دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔''

مصنف مزید لکھتا ہے:

> ''میں جتنا بھی زیادہ ٹی وی دیکھا کرتا تھا اتنی ہی زیادہ یہ خواہش میرے اندر ابھرتی تھی کہ میں باہر جا کر کھلی فضا میں سانس لوں یا گہری نیند لوں تاکہ میری کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو سکے۔ بلکہ ایک اور احساس ٹی وی دیکھنے کے بعد میرے اندر پیدا ہوتا ہے کہ ٹی وی دیکھنے کے بعد میرے دماغ میں متعدد تصورات اور ہیولے ابھرے تھے۔ ان پر میرا کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا اور ان تصورات اور خیالی ہیولوں سے لڑتے بھڑتے مجھے گھنٹوں گزر جاتے تھے۔ مجھے اس بات پر اطمینان ہے کہ بیشتر لوگ اس بات سے آگاہ ہیں کہ ٹی وی ان کے ساتھ کیا کر رہا ہے لیکن ان لوگوں کو یہ کہہ کر انہیں نشے میں مبتلا کیا جا رہا ہے کہ ٹی وی تو اب ہمیشہ رہے گا اور اس کے خاتمے کی کوشش کرنا فضول ہے۔''[۱۷]

آج ہم جس کلچر کو رواج دے رہے ہیں، وہ ہماری اپنی اقدار کی نفی کرتا ہے۔ میڈیا کا یہ بھی کام ہے کہ لوگوں کو ان کے طرز زندگی میں سہولت دے۔ مگر ہم ان کو وہ دکھا رہے ہیں جو ان کے اندر احساس محرومی اور پھر معاشرے سے بغاوت پیدا کرتا ہے۔ ایسے کھانے پکانے سکھائے جاتے ہیں، جن کا نوے فیصد پاکستانی خواتین کو فائدہ نہیں ہے۔ آپ کو اشتہارات

۱۷۔ عطیہ منیرہ Four Reasons of Elimination of TV ، ماہنامہ پکارِ ملت، شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص ۳۵، ۳۶

کے ذریعے باور کرایا جاتا ہے کہ کبھی نہ ختم ہونیوالی فہرست میں شامل ہر چیز کی آپ کو ضرورت ہے۔ ان اشیائے صرف کے اشتہار چل رہے ہیں جن کو محض دس بارہ فیصد طبقہ خواتین خریدنے کی طاقت رکھتی ہیں اور جن کا ذکر کرنا خود خواتین بھی پسند نہیں کرتیں۔ ہزاروں سال سے یہ چیزیں استعمال ہو رہی ہیں مگر ہماری معاشرتی اقدار انہیں بیان کرنا گوارا نہیں کرتیں۔ اسی طرح ورکنگ ویمن کو میڈیا پر آئیڈیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے گویاں گھریلو کام کرنے والی عورت ملکی ترقی میں کوئی حصہ نہیں رکھتی۔

ہندوستانی معاشرہ پر ٹی وی کے اثرات

ہندوستانی سماج پر میڈیا خصوصاً فلموں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ناچنے گانے والوں کا جو مقام ایک ہندوستانی کے دل میں ہے شاید وہ مقام کسی اور کے لیے نہ ہو، ایک فلمی اداکار نے خان ڈریس پہن لیا تو بلا تفریق مذہب وملت ہر نوجوان نے وہ ڈریس پہننا شروع کر دیا۔ ایک فلم میں ایک لڑکی اپنے محبوب کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی ہے اور دیوار پر لکھ جاتی ہے: ''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'' پھر درجنوں ایسے واقعات پیش آئے اور نئی نسل نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ چوڑی مہری کی پتلون یا تنگ پتلون فلمی اداکار نے پہنی تو یہ دونوں فیشن بن گئے۔ فلم میں ڈکیتی کے مناظر دیکھ کر کمسن بچوں نے بینک پر ڈاکہ ڈالا، بسوں کو لوٹا۔ دہلی حکومت کی خود اپنی رپورٹ کے مطابق زنا بالجبر کے واقعات میں ڈش انٹینا کی آمد کے بعد سے 70% اضافہ ہو گیا ہے۔

پنت ہسپتال کے ماہر نفسیات ڈاکٹر منورنجن سہائے کے مطابق ٹیلی ویژن دیکھنا بجائے خود ایک نشہ ہے، جن بچوں کو اس کی لت لگ جاتی ہے، وہ گھنٹوں ٹی وی دیکھتے ہیں، خواہ اکتا دینے والے پروگرام ہی کیوں نہ دکھائے جا رہے ہوں۔

آسٹریلیا کے محققین کے مطابق ٹی وی سے نکلنے والی تابکار شعاعیں دماغ کے نظام عمل کو متاثر کرتی ہیں، بچوں کا دماغ ٹی وی کی تابکاری برداشت نہیں کر پاتا اور جب ایک بار دماغ ماؤف ہو جاتا ہے تو پھر نگاہ ٹی وی کے پردے پر لگ جاتی ہیں۔ اس طرح بچہ ٹی وی دیکھتے وقت گویا محصور ہو جاتا ہے اور ٹی وی دیکھتا رہتا ہے چاہے کوئی بھی پروگرام آ رہا ہو۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا ہسپتال کے ڈاکٹر نینا ووہرا (صدر شعبہ امراض اعصابی) کے مطابق ٹی وی دیکھتے وقت دماغ کے وہ خلیات جو روشنی سے اثر پذیر ہوتے ہیں، بہت تیزی سے کام کرنے لگتے ہیں، جس سے دماغ کے سالمیاتی توازن میں غیر معمولی تبدیلی ہونے لگتی ہے، اور ذہنی توانائی درہم برہم ہو جاتی ہے، دماغ میں غیر معمولی طور پر سالمیاتی مادہ گردش کرنے لگتا ہے جو مرگی کی شکل اختیار کر سکتا ہے، ایسے مرض کا پتہ بڑی مشکل سے لگتا ہے، کیونکہ اس میں منہ سے جھاگ نہیں نکلتا، لوگ اس سے بروقت واقف نہیں ہوتے، بعد میں چل کر یہ ناقابل علاج ہو جاتا ہے۔

ایک سروے کے مطابق ہندوستان میں باون لاکھ مرگی کے مریض ہیں جن میں تین لاکھ مسلسل ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے مرگی کا شکار ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر منورنجن کے مطابق جن بچوں کو ٹی وی کی لت پڑ جاتی ہے، اگر ان کو منع کیا جاتا ہے تو وہ چڑ چڑے ہو جاتے ہیں اور انہیں جلد غصہ آ جاتا ہے۔ (سروے یو، این، آئی ۲ مئی 1996ء) اس رپورٹ کے اشاعت کے ایک ماہ بعد 3 جون

1996ء میں دوسری رپورٹ ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوئی جس میں ہندوستانی معاشرہ پر فلم اور ٹی وی کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔''اب ہندوستانیوں کو اس حقیقت کا اعتراف ہونے لگا ہے کہ پردے پر دکھائے جانے والے تشدد اور عملی زندگی کے تشدد میں زیادہ فرق نہیں رہ گیا ہے بلکہ روز بروز یہ فرق کم ہوتا جا رہا ہے''۔۱۸

جنوبی دہلی میں ایڈیشنل پولیس کمشنر مسٹر مکسویل پر میرا کا کہنا ہے کہ فلمیں اور ٹی وی دونوں ہی جنس اور تشدد کو قابل مذمت بتانے کے بجائے خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں، کم سن بچوں کو جرائم کی طرف راغب کرنے کے اصل ذمہ دار ہیں۔انہوں نے کہا کہ فلموں میں ضرورت سے زیادہ تشدد دکھایا جاتا ہے، اس کا نئی نسلوں کے ذہنوں پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔

ڈاکٹر ایل کے بھگت ماہر نفسیات (دہلی) نے کہا کہ فلموں میں صرف دو پہلو ہوتے ہیں، ہیرو خوبیوں سے پُر اور ولن برائیوں سے بھر پور، لیکن زندگیوں میں اعتدال کا پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، فلمی اداکار شاہ رخ خان متعدد قتل کر کے بچ جاتا ہے، اس کا نوجوانوں کے ذہن پر بہت اثر پڑتا ہے۔اس کے علاوہ ان کرداروں کو اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ لوگ خود کو ان کرداروں سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کبھی کامیاب ہوتے ہیں تو جرم کی وہ خبر بنتی ہے جو تقریباً ہر روز پڑھنے کو مل جاتی ہے۔

ایک غیر سرکاری تنظیم 'لو اینڈ کیئر' کے ڈائریکٹر مسٹر انل کالیا کا کہنا ہے کہ منشیات کے استعمال کے ساتھ ٹیلی ویژن باغیانہ رویہ پیدا کرتا ہے، ان دونوں چیزوں کی آمیزش نوجوانوں کو یہ تحریک دیتی ہے کہ بغاوت کرنا ان کی ضرورت ہے۔

مسٹر کالیا کا خیال ہے کہ فلموں کا صرف متوسط اور اونچی آمدنی کے گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں پر اثر پڑتا ہے، وہ لوگ فلموں میں جو مناظر دیکھتے ہیں خود کو ان کے زیادہ قریب کرتے ہیں اور نتیجے میں جرائم کی راہ پر نکل پڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک تازہ جائزے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سینما معاشرہ میں سماجی اور جنسی تشدد کو بڑھاوا دے رہا ہے، اور اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ نوجوانوں کو زندگی کے مسائل کا سامنا کرنے کی ہمت دینے کی بجائے انہیں ان سے فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

دہلی پولیس نے سات نوجوانوں کو کئی مہینے تک ایک کم سن لڑکی کی اجتمائی آبروریزی اور بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کیا ہے، نوجوانوں نے اس کا اعتراف کیا کہ انہوں نے ٹی وی کی ایک فلم سے اثر قبول کیا تھا۔تاہم سابق ایڈیشنل کمشنر جرائم آر۔کے۔ تیواری کا کہنا ہے کہ ان تمام جرائم کے لیے والدین بھی اسی طرح ذمہ دار ہیں جس طرح فلم اور فحش رسائل۔

بچوں کو ٹی وی سے بچایئے!

میلیسا ھِل نے خواتین کے لیے ایک خوبصورت گائیڈ بک تحریر کی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے کس طرح مفید بنا سکتی ہیں۔اُنہوں نے کچھ حیرت انگیز مشورے ٹیلی وژن اور ریڈیو کے بارے میں دیے ہیں جو بہت حد تک میری (محققہ) امی کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔انہوں نے آج تک گھر میں ٹی وی اور ریڈیو نہیں رکھا اور کہتی ہیں کہ میں نے اپنے بچوں کو اپنا بچہ بنا کر پالا ہے اُن کو ٹی وی کا بچہ نہیں بننے دیا کہ جو اور لوگ چاہیں وہ میرے بچوں

۱۸۔ ڈاکٹر منورنجن سروے یو، این، آئی ۲ مئی ۱۹۹۶ء، بحوالہ نذر الحفیظ ندوی ''سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار، ص ۱۹۷

کے دماغ میں ڈال دیں اسکے ساتھ ساتھ وہ کہتی ہیں کہ مجھے لوگ ڈراتے رہتے تھے کہ تمہارے بچے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے مگر اب جبکہ میرے بچے زندگی کی دوڑ میں الحمدللہ باقی لوگوں سے آگے ہی نکل گئے ہیں تو میں کہتی ہوں کہ ٹی وی پالنا ضروری نہیں ہے۔۱۹

۲- ریڈیوسٹیشن

جس طرح ٹیلی ویژن آپ کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اسی طرح آپ کا پسندیدہ ریڈیوسٹیشن بھی آپ کی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے۔ خاندانی نظام میں خاتون خانہ کی حیثیت سے ممکن ہے آپ اپنی زندگی کو بے رونق اور بے مزا سمجھ رہی ہوں۔ اگر آپ پہلے بچے کی ماں ہیں اور ابھی وہ بہت چھوٹا ہے تو آپ کو سماجی سطح پر زیادہ متحرک ہونے کی آزادی میسر نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپ کو ضرورت ہے ایک ایسے ریڈیوسٹیشن کی جو آپ کو بتائے کہ دنیا میں ہر ایک کس قدر مطمئن ہے۔ ایسے بہت سے ریڈیوسٹیشن ہیں جو'اطمینان' کے نام پر کاروبار نہیں کرتے۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں۔ ہوا کی لہروں کو کھنگالیے اور ایک ہفتہ تک روزانہ کوئی نیا ریڈیوسٹیشن لگائیں۔ وہاں سے نشر ہونے والی گفتگو اور ایڈورٹائزنگ دونوں پہ توجہ دیں۔ خیال رکھیں کہ کون سا ریڈیوسٹیشن آپ کو ڈسکو کی زندگی اور رات گئے پینے کی خواہش سے دور رکھتا ہے۔

اگر آپ کو کوئی ایسا سٹیشن نہیں ملتا جو مغلوب کرنے، سنسنی پھیلانے یا نمائشی گفتگو جیسے پروگرام نہ پیش کرتا ہو تو پھر بہتر ہے کہ اپنی ڈسک کولیکشن پہ نظر ڈالیں۔ میں کئی سال سے ریڈیو نہیں سن رہی ہوں۔ میں نے کبھی ایک منٹ کے لیے بھی ریڈیو آن نہیں کیا تھا۔ ریڈیو اکثر اوقات ہماری زندگیوں کا ساؤنڈ ٹریک ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی چیز کا انتخاب کیا جائے جو آپ کا موڈ بھی بہتر کردے اور ذہن کو بھی وسعت دے۔

بہت سے گھروں میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو کا استعمال بیک گراؤنڈ شور یا پھر وقت گزارنے کے لیے ہوتا ہے۔ جو بات وہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگرچہ جو پیغامات نشر ہورہے ہیں وہ ان پر توجہ نہیں دے رہے، لیکن پروگرامنگ کی ٹون بہرحال ان کے موڈز اور رویوں پر پوری طاقت سے اثرانداز ہووتی ہے۔ اسی لیے میڈیا سے گریز کا فیصلہ امتیاز کا ایک فہم پیدا کردیتا ہے۔

۳- میگزین

میگزینز بھی عام طور پر مصنوعات فروخت کرنے کا ایک زریعہ ہوتے ہیں۔ تاہم ان کا انحصار ایسے زوردار مضامیں پر ہوتا ہے جو آپ کو میگزین خریدنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ مسئلہ یہاں بھی یہ ہے کہ بہت سے میگزینز میں مضامین سنسنی خیزی پر اتر آتے ہیں۔ اگر آپ اس لیے میگزین خریدتی ہیں کہ بوریت کے وقت کچھ دیر لیٹ کر ان کا مطالعہ کیا جائے تو آپ دو چیزیں کررہی ہیں۔ خود کو ایسے موقع سے محروم کررہی ہیں جس میں آپ حقیقتاً اپنے لیے کچھ دلچسپ اور تفریح بخش کام کرسکتی ہیں۔ دوسرے اپنے آپ کو ان معلومات سے بے بہرہ کررہی ہیں جو آپ کے کانوں میں اترسکتی ہیں۔

بہت زیادہ میگزئنز اور بالخصوص فیشن میگزینز کا حصول کم سے کم تعداد میں رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کے

۱۹۔ The smart women guide to staying at Home ترجمہ طاہر منصور فاروقی .اپنا گھر سنبھالئے۔

گھر میں نئے فیشن کے ملبوسات کا رجحان تجاوز نہ کر جائے۔ اگر آپ کے ہاں بچے کی آمد کو کچھ ہی دن ہوئے ہیں تو آپ کی ضرورت فی الحال جدید فیشن نہیں۔ مثبت سوچ کے لیے ضروری ہے کہ آپ مقابلہ کی غیر معقول دوڑ میں شامل نہ ہوں، ایسا کر کے آپ کو شدید مایوسی ہوگی۔

۴- انٹرنیٹ

انٹرنیٹ کو باضابطہ طور پر میڈیا کا حصہ تو تصور نہیں کیا جاتا تاہم چونکہ اس ایجاد کی بدولت دنیا کسی بھی انسان کی مٹھی میں آ گئی ہے اور اسی کے لیے عالمی گاؤں (گلوبل ولیج) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس کے پاکستان کے خاندانی نظام پر کئی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

انٹرنیٹ کے ایجاد کرنے والوں کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ایسا میڈیا ہونا چاہئے جو کسی بھی قسم کی حکومت، ملک، گروپ یا گروہ کے کنٹرول سے آزاد ہو لہٰذا انٹرنیٹ کا نہ کوئی ہیڈ آفس ہے اور نہ کوئی سرپرست۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جہاں رنگ و نسل روایات سے بالاتر ہو کر ہر ایک اس دنیا میں رنگ بھرتا ہے۔ ایسی دنیا جو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہے اور جہاں انسان انسانیت کے لیے کام کرنے کے لیے آزاد ہے۔ لیکن کیا واقعی ایسا ہے؟ حقیقتِ حال اس سے قدرے مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انٹرنیٹ ہر شعبہ زندگی کے لیے فائدہ مند ہے۔ یہاں ہزاروں مباحثہ فورم موجود ہیں جہاں لاکھوں افراد اپنے خیالات ونظریات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ وہ سب کچھ ہے جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ سب کچھ بھی ہے جس سے ہم اپنے بچوں کو اخلاقی اور معاشرتی طور پر بچانا چاہتے ہیں۔ یہاں جرائم کی بھی اپنی دنیا ہے پیشہ ور مجرم اب انٹرنیٹ کے ذریعے اور منظّم ہو کر کام کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ انٹرنیٹ پر کوئی کسی کو پکڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا یہاں اسلحہ کے ڈپو سے لے کر چھوٹے بڑے بم بنانے تک تمام راہنمائی موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ہزاروں ایسی سائیٹس موجود ہیں جو اخلاقی بے راہ روی کا سامان تسکین مہیا کرتیں ہیں۔ ایسے کئی نیوز گروپ موجود ہیں جو زرد صحافت کے ذریعے اپنے مخصوص مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ یہ تاریخ انسانی کا المیہ رہا ہے کہ کسی بھی مفید ایجاد کا فائدہ منفی عناصر زیادہ اٹھاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ یہ دنیا خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ یہی خیر و شر ہمیں انٹرنیٹ پر نظر آتا ہے لیکن شر کی قوت اس لیے اور طاقتور ہوتی جا رہی ہے کیونکہ انٹرنیٹ پر اسے روکنے کے لیے کوئی معاشرتی و اخلاقی طاقت نہیں ہے۔ زبان و بیان کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی اب خود انٹرنیٹ کے صارفین کے لیے ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔

انٹرنیٹ اور فحاشی

برطانوی ماہرین نے انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی اور جنسی رجحان کے فروغ سے نئی نسل کی اخلاقی قدروں کی تباہی کی نشان دہی کی ہے اور انٹرنیٹ کو اس کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بی بی سی ٹیلی ویژن کی ایک رپورٹ کے مطابق گھریلو خواتین اور عام مرد انٹرنیٹ کی وجہ سے جنس زدہ ہو کر بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔

ماہرین نفسیات اور عام شہریوں کے درمیان ہونے والے ٹیلی ویژن کے ایک مباحثے میں بتایا گیا ہے کہ 25 فیصد سے زیادہ افراد جنسی مواد اور عریاں تصاویر سے دل بہلاتے ہیں جو انہیں انٹرنیٹ کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ مباحثے میں

بتایا گیا کہ 15 فیصد برطانوی فی ہفتہ 11 گھنٹے جنسی تصاویر دیکھتے ہیں۔

اخلاقی پستی اور گراوٹ کی ابتداء ٹی وی سے ہو کر کیبل کے ذریعے انٹرنیٹ پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے یہ اخلاقی گراوٹ اعلیٰ طبقے میں تھی اب تیزی سے عوام الناس میں پھیل رہی ہے۔ انسان انٹرنیٹ پر شہوانیت کے نت نئے طریقے سیکھ رہا ہے۔ جنسی طور پر ایک دوسرے کو تکلیف دے کر خوش ہونا، ہم جنس پرستی، جانوروں سے جنسی تعلقات اور دیگر جنسی آلات کا رکا استعمال بڑھ رہا ہے۔

پوری دنیا میں اس وقت کئی لاکھ جوڑے ایسے ہیں جن کی ازواجی زندگی انٹرنیٹ کی وجہ سے تباہ ہو کر رہ گئی ہے کیوں کہ ان کے ساتھی کے انٹرنیٹ دوستیاں اور تعلقات تھے۔ وہ اپنے بچوں، گھر اور معاشی ضروریات سے بے پروا ہو کر انٹرنیٹ کی حسین خیالی اور آوارہ دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

پاکستان میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران کمپیوٹر کے استعمال میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے، اور اب ایک اندازے کے مطابق ڈیڑھ سے دو کروڑ افراد کمپیوٹر استعمال کر رہے ہیں، جن میں سے انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد کم از کم بھی پچاس لاکھ سے زائد ہوگی، تاہم اس بارے میں کوئی تفصیلی رپورٹ یا اعداد و شمار دستیاب نہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ زیادہ تر انٹرنیٹ استعمال کرنے والے پاکستانی اسے ایک مفید ایجاد کی بجائے فضول تفریح کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سب سے مقبول ویب سائٹ فیس بک (Face Book) ہے جس کے پانچ لاکھ سے زائد پاکستانی ممبر (رکن) بن چکے ہیں۔ دوسری سائٹ اورکٹ (orkut) ہے جس کو استعمال کرنے والے افراد کی تعداد تین لاکھ ہے، جبکہ یوٹیوب نامی ویب سائٹ کو 75 فیصد انٹرنیٹ استعمال کرنے والے پاکستانی استعمال کرتے ہیں اور مفید ڈیوز کی بجائے فحش ویڈیوز ان کی توجہ کا مرکز بنتی ہے۔ اسی طرح نیٹ لاگ (net log) فلکر (Filcker) اور فوٹو لاگ ہے جو پاکستانی افراد میں مقبولیت رکھتی ہے۔[۲۰]

ان تمام ویب سائٹس میں سے یوٹیوب کے علاوہ کوئی بھی سائٹ ایسی نہیں جو تعلیمی، معلوماتی یا کسی مثبت معاشرتی سرگرمی کے لیے استعمال کی جاتی ہو۔

انٹرنیٹ سرچ انجن گوگل کی ایک رپورٹ کے مطابق فحش ویب سائٹس میں جانے والے ممالک میں پاکستان کے انٹرنیٹ استعمال کرنے والے سب سے آگے ہیں۔[۲۱]

اب یہ تو صاف ظاہر ہے کہ نوجوان یا کسی بھی عمر کے افراد انٹرنیٹ کا اس قسم کا منفی استعمال کریں گے تو معاشرے میں ابتری تو آئے گی ہی اور خاندانی اقدار بھی اسی حساب سے متاثر ہوں گی۔

انٹرنیٹ اور میڈیا کے ان اثرات کی وجہ سے ہی ہمارے معاشرے میں جرائم خاص طور پر خواتین کے ساتھ زیادتیوں کی شرح میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آیا ہے چونکہ ہمارا اندانی نظام بہت مضبوط ہے اسی لیے فی الحال ہم امریکہ یا مغربی معاشروں جیسی صورت حال سے محفوظ ہیں، لیکن ایسا کب تک ممکن ہے؟ اگر مغربی اقدار کو اسی طرح فروغ دیا جاتا رہا تو اوپر دی

۲۰۔ جسارت میگزین، ۱۹/اپریل ۲۰۰۹ء

۲۱۔ Daily Times, 17 May 2007

گئی ایک تصوراتی کہانی مستقبل میں ایک سچی آپ بیتیوں کی صورت میں ہمارے معاشرے کا حصہ بن جائے گی۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک اچھا انسان اپنی اچھائی سے اردگرد کی برائیوں کو ختم کرسکتا ہے، اس میں اگر ذرا ترمیم کی جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک اچھا اور ذمہ دار میڈیا ہمارے پورے معاشرے میں اسلامی اقدار کے فروغ اور فلاح کا باعث بن سکتا ہے۔

بچوں پر انٹرنیٹ کے اثرات

ملائیشیا میں بچوں کو انٹرنیٹ کی مخرب اخلاق سائٹس تک پہنچنے سے محفوظ رکھنے کے لیے قانون بنایا جا رہا ہے۔ ملائیشیا کی ریاست سیلانگور میں انٹرنیٹ کیفیز میں جوئے' قماربازی' عریاں وفحش سائٹس کے خلاف کارروائی کے لیے قانون سازی کی جارہی ہے۔[۲۰]

انٹرنیٹ پر ایسی لاتعداد ویب سائٹس ہیں جو نوجوانوں اور بچوں کے لیے اخلاقی طور پر زہر ثابت ہو رہی ہیں۔ لہٰذا اب ایسے کمپیوٹر پروگرام آگئے ہیں جن کی مدد سے والدین کسی بھی ناپسندیدہ سائیٹ کو لاک کر سکتے ہیں۔

دوسری طرف یہ خدشات بھی اپنی جگہ موجود ہیں کی ایسی کتنی ہزاروں غیر اخلاقی سائیٹس موجود ہیں' ان میں سے ہر ایک کو لاک نہیں کیا جاسکتا۔ جینو کا ویو، مشہور کمپنی اے۔او۔ایل کے والدین پروجیکٹ کے معاون خصوصی ہیں۔ وہ کہتے ہیں لوگ عموماً جب اپنے بچوں کو کمپیوٹر پر کام کرتے دیکھتے ہیں تو وہ یہ سوچتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے؟ حالانکہ اگر بچہ انٹرنیٹ پر ہے تو اور زیادہ خطرے والی بات ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ اپنے بچے کو گنجان آباد شہر کی گلیوں میں تنہا چھوڑ دیں جو آپ حقیقت کی زندگی میں ایسا نہیں کریں گے۔ لہٰذا اب امریکہ میں ایسی کئی کمپنیاں وجود عمل میں آگئی ہیں جو انٹرنیٹ سیکورٹی کے نام سے والدین کو مشورے دیتی ہیں۔ جس میں سب سے بہترین طریقہ تو یہی ہے کہ اپنے بچوں پر نگاہ رکھئے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ کہ انٹرنیٹ کی دنیا میں اجنبی کی طرح جائیے اور ایک اجنبی کی طرح نکل آئیے۔ اپنی کوئی شناخت کسی پر بھی آشکار نہ کریں۔ امریکہ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جب نوجوان یا بچوں نے اپنا ای میل ایڈریس اجنبیوں کو دے دیا اور جس کے نتیجے میں انہیں دھمکی آمیز خطوط اور فون کالز ملنے لگیں۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انٹرنیٹ کی دنیا میں کسی کا کچھ پتہ نہیں جس کو آپ اپنا دوست بنائیں تو ہوسکتا ہے وہ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ نکلے۔ لہٰذا احتیاط ضروری ہے اس لیے کہ انٹرنیٹ جرائم کے لیے استعمال ہونے کی بھی ایک بہترین مثال ہے۔[۲۲]

خودکشی اور انٹرنیٹ

آسٹریلیا میں خودکشی کے طریقے بتانے والی انٹرنیٹ ویب سائٹس نے زبردست خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔ ان سائٹس پر ایسے لوگوں کے بارے میں معلومات بھی ہیں جو خودکشی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

خبررساں ادارے کا کہنا ہے کہ خودکشی کی ان ویب سائٹس کی بدولت نوجوانوں کو خودکشی کرنے کے نت نئے طریقوں کا پتا چل رہا ہے اور کئی نوجوانوں نے ان طریقوں پر عمل کرکے خودکشی کی ہے۔ آسٹریلوی حکومت نے ان ویب سائٹس کو ختم کرنے کے لیے کام شروع کر دیا ہے۔

۲۲۔ سنبلہ سعدیہ ''انٹرنیٹ کی جادونگری'': پکارِملت ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۸ء

جنوبی کوریا میں دولڑکیوں اور ایک مرد نے انٹرنیٹ پر سمجھوتے کے بعد 28ویں منزل سے چھلانگ لگا کر خود کو موت کی نیند سلا لیا۔ پولیس نے بتایا کہ پندرہ اور سولہ برس کی دولڑکیاں اور 34 سال کے ایک مرد نے انٹرنیٹ پر سمجھوتے کے بعد ایک عمارت کی 28ویں منزل سے چھلانگ لگا دی۔ واضح رہے کہ جنوبی کوریا میں دو سال میں بیس افراد نے اس طرح خودکشی کی ہے۔

جاپان میں انٹرنیٹ کے ذریعے جرائم میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 100 فیصد اضافہ ہوا ہے گزشتہ سال 302 واقعات ہوئے جب کہ اس سال ان جرائم کی تعداد 797 ریکارڈ کی گئی ہے۔ پولیس کے مطابق انٹرنیٹ کے ذریعے زیادہ تر لڑکیاں نشانہ بنتی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے جھانسہ دے کر 13 سے 18 سال تک کی 213 لڑکیوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔

ای میل طرزِ حیات کے معاشرتی اثرات

جدید سائنس کی ترقی میں کمپیوٹر کے نظام کو سب سے اہم، حساس اور اعلیٰ سائنسی ترقی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس نظام نے پورے عالم کو ایک سحر انگیز ڈور میں باندھ لیا ہے۔ اسی نظام کا ایک ادنیٰ کرشمہ انٹرنیٹ اور ای۔میل ہے۔ انٹرنیٹ اور ای میل نظام سے پوری دنیا کے عوام و خواص کا اتنا ہی گہرا تعلق محسوس ہوتا ہے جس طرح جسم کا روح سے ہے۔ گویا یہ نظام زندگی کا ایک اہم حصہ ہی نہیں بلکہ طرزِ حیات بن چکا ہے۔

’ہمارے ملک میں انٹرنیٹ کیفے کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ جس طرح عام چائے خانوں میں نچلے طبقے کے لوگوں کی بھیڑ ہوا کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ انٹرنیٹ کیفے میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کا جمِ غفیر دکھائی دیتا ہے۔ کل تک یہ نسل اپنے اسٹڈی روم تک محدود تھی اب سرِ بازار چیٹنگ اور ڈیٹنگ میں مصروف نظر آتی ہے۔ اب اس کے ہاتھوں میں ’قلم‘ نہیں ’ماؤس‘ ہے۔

واضح ہو کہ انٹرنیٹ اور ای میل کا نظام ایک خفیہ نظام ہے۔ یہ ایک ایسا طرزِ حیات ہے جو علیحدگی پسندی کو نشو و نما دیتا ہے۔ کل تک محکمہ ڈاک کے ذریعہ گھر میں آنے والے کسی خط سے گھر کا ہر فرد واقف ہوتا تھا یا کم از کم مکتوب نگار کی شخصیت ضرور معلوم رہتی تھی جبکہ ای میل کے خفیہ نظام نے اب اس صورت حال کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ اب کسی بھی میل ایڈریس پر 70 فیصد سے زائد Unsolicited emails بھیجے جا رہے ہیں۔ جس میں شرمناک اور قابل اعتراض مواد کے علاوہ قمار بازی اور دھوکا و فریب دینے والے میل کی بھرمار ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان میلوں کو دیکھنے کے لیے وقت صَرف کرے تو شائد صبح سے شام ہو جائے۔ اور یہ سلسلہ ختم نہ ہو نیز ان بھیجے گئے میلوں میں سے اگر کوئی کسی میں الجھ یا پھنس گیا تو وہ ذہنی توازن بھی کھو سکتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلائے گئے ان خفیہ اور فریب میں مبتلا کرنے والے حسین جال کی سحر انگیزی اتنی دلفریب ہے کہ اسے نشہ آور اشیاء سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن کہا جا سکتا ہے۔ اس نظام نے مشرقی علوم و فنون اور ثقافت پر ایسی یلغار کی ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانا تو دور کی بات کردار اور عزت و عصمت کو بھی تحفظ حاصل نہیں۔ بس اللہ ہی حافظ ہے۔

دنیا کی تمام حکومتیں چند برسوں سے اپنے طور پر انٹرنیٹ یوزرس (Users) کو تحفظ دینے کی عملی کوشش ضرور کر رہی ہیں لیکن یہ کوشش بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اس جال سے محفوظ رہنے کے لیے دراصل نئی نسل کو خود ہی کچھ کرنا ہوگا کیونکہ ان ہی کے ہاتھوں میں مستقبل کی زمان کار ہے۔ قائدانہ رول ادا کرنے کے لیے عزم مستحکم کے ساتھ ساتھ بے داغ شباب اور گہرے علوم وفنون سے متصف ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں نئی نسل کے والدین اور سرپرستوں کو سنجیدگی اور حکمت کے ساتھ عملی کوشش کا آغاز کرنا چاہیے۔۲۳

۵-موبائل فون

موبائل فون دورِ جدید کی ایک سحر انگیز ایجاد ہے، جس کی 'برکات' سے آج معاشرہ کا ہر فرد فیض یاب ہو رہا ہے۔

پہلے پہل ہم اس کو افسرانِ بالا یا کاروباری حضرات کے ہاتھوں میں دیکھا کرتے تھے اور آج کیا افسر، کیا چپڑاسی اور خاکروب ہر ایک کے ہاتھ میں یہ موجود ہے۔ پانچ چھ سال قبل طالبِ علموں کے لیے کالجوں میں اس کے لانے پر پابندی تھی اور آج یہ ایک ضرورت سمجھا جانے لگا ہے۔ پہلے گھر کے فون پر 'رانگ کالز' کا مسئلہ والدین کو پریشان کرتا تھا اور اب ہر بچے کے الگ موبائل پر یہ کام Status کی آڑ میں والدین کی نظر میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے! بلا شبہ اس ایجاد کے فوائد بے شمار ہیں۔ مگر اس کے اشتہارات اور مختلف پیکیجز (Packages) کے اعلانات اور ان میں استعمال ہونے والے ذو معنی الفاظ میں اس ایجاد کے ذریعہ پھیلائی جانے والی بے حیائی اور فحاشی نمایاں ہے۔ جس کو ہم خالص 'پرسنل' اور محفوظ سمجھتے ہیں اس کے ذریعہ بھی ہماری سراغ رسانی اور خفیہ نگرانی کا پورا بندوبست موجود ہے۔ گویا آپ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں موبائل فون کی مدد سے آپ کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس ایجاد پر ہونے والی تحقیقات مزید انکشافات کرتی ہیں۔ نوائے وقت 20 اگست 2006ء کے سنڈے میگزین کے مطابق موبائل فون سے نکلنے والی تابکاری شعاعیں انسانی جسم خصوصاً بچوں کے حیاتیاتی خلیوں کو متاثر کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ ماہرین اس فون کے کم سے کم استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

سمجھ نہیں آتا ہماری قوم اندھی تقلید میں اتنی آگے کیوں نکل گئی ہے۔ کہ مغرب سے آئی ہوئی ہر اچھی بُری جدید چیز فیشن کے طور پر اپنا لیتی ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ اس کے اچھے بُرے اثرات نئی نسل کے کورے ذہن پر کیسے نقش مرتب کریں گے؟ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟...... موبائل...... دورِ حاضر کی جدید ترین ایجاد...... جو آج کل کثرت سے ہر عام و خاص اور خصوصاً نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ہاتھوں میں کھلونوں کی مانند نظر آ رہے ہیں۔ جس میں مووی کیمرہ موبائل کا غلط استعمال بڑی حد تک انتہائی تشویش ناک صورتِ حال اختیار کرتا جا رہا ہے۔

بچے تو وہ بھی معصوم تھے جو کھیلنے کو خنجر مانگتے تھے۔ اور بچے آج کے بھی معصوم ہیں...... فرق صرف اتنا ہے...... پہلے باشعور والدین خنجر کی حقیقت سے آشنا تھے اور آج...... اہلِ مغرب نے ان کے شعور، عقل وفہم کو ترقی یافتہ بننے کی خوش گمانیوں کا قُفل چڑھا دیا ہے۔۲۴

۲۳۔ عارف اقبال: ای۔میل طرز حیات کے معاشرتی اثرات، معارف فیچر سروس، شمارہ ۱۸۶، ۱۲ مئی ۲۰۰۸ء، ص ۱۰

۲۴۔ اداریہ ماہنامہ پکارِ ملت، مارچ ۲۰۰۷ء

میڈیا اور گلوبل کلچر کے اثرات

گلوبل کمرشل میڈیا چند اداروں تک مرتکز ہے ان میں سے اکثریت امریکی میڈیا کارپوریشنوں کی ہے، یہ ایسا نظام ہے جو دنیا بھر میں مارکیٹ کنٹرول کرتا ہے اور کمرشل اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لیے خطرے کا الارم ہے۔ گلوبل کمرشل سسٹم 1980ء کے عشرے سے بڑھنا شروع ہوا ہے۔ اس سے قبل اس کی حیثیت قومی تھی۔ کتابوں، فلموں، میوزک، ٹی وی شوز کئی عشروں سے درآمد کیے جاتے تھے۔ اس کے بعد ریڈیو اور اخبارات کی دنیا کی ملکیت حاصل کی گئی اور انہیں باقاعدہ ایک نیٹ ورک بنا دیا گیا۔ 1980ء کے عشرے سے امریکہ، عالمی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک نے ملکوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ اپنے میڈیا اور مواصلات کے نظاموں کو نجی شعبہ کے حوالے کر دیں۔ یہ نظام مواصلاتی سیاروں سے مربوط تھے اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے حامل تھے۔ اس پالیسی نے ماورائے قومی یا کثیر قومی کارپوریشنوں کی صورت میں ان کو منظم کر کے ابلاغی جنات میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت دنیا کی دو طاقت ور ترین میڈیا کارپوریشنوں ٹائم وارنر اور ڈزنی ورلڈ کے پاس اس قدر وسائل ہیں کہ امریکہ کے باہر سے ان کی آمدن کا 15 فیصد آتا ہے۔ یہ 1990ء کے اعداد و شمار ہیں 1997ء میں یہ شرح 30 فیصد تھی۔

دنیا کے ان ابلاغی جنات کی کل تعداد اب 9 ہے۔ ان میں 5 بڑے اداروں میں ٹائم وارنر کی سیل 1997ء میں 24 ارب ڈالر، ڈزنی 22 ارب ڈالر، برٹلزمین 15 ارب ڈالر، وایا کام 13 ارب ڈالر اور روپرٹ مردوک کی نیوز کارپوریشن کی 11 ارب ڈالر تھی۔ ان کی حکمت عملی یہ ہے کہ اپنی ایمپائر میں اضافہ کیا جائے تاکہ مارکیٹ پر آپ کا قبضہ مکمل ہو جائے اور مقابلے پر کوئی نہ رہے۔ دس برسوں میں ٹائم وارنر اور ڈزنی کے حجم میں تین گنا اضافہ ہوا ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ میڈیا کی صنعت کے بے شمار مفادات میں حصہ ڈالا جائے۔ فلم سازی، کتاب کی اشاعت، میوزک، ٹی وی چینل، نیٹ ورکس، ریٹیل سٹورز، تفریحی پارک، میگزین، اخبارات اور ہر قسم کا میڈیا دسترس میں رہے۔

دنیا کی سب سے بڑی کیبل کمپنی (TCI) ہے۔ اس کے پاس دنیا بھر میں میڈیا کا نیٹ ورک ہے۔ اس کے منصوبوں، پروگراموں اور کاموں کی تفصیل اس قدر وسیع ہے کہ ان کے نام گننا یا لینا ہی کافی وقت طلب کام ہے۔ دوسرے تین بڑے میڈیا ادارے باقاعدہ صنعتی قوت کے مراکز ہیں۔ ان میں جنرل الیکٹرک کا 1997ء کا نفع 80 ارب ڈالر اور اس کی ملکیت میں NBC بھی ہے سونی کا سرمایہ 48 ارب ڈالر جس کے پاس کولمبیا اور ٹرائی سٹار پکچرز جیسے ادارے ہیں اور تیسرا سی گرام جس کا سیل سے سرمایہ 14 ارب ڈالر تھا۔ اس کے پاس یونیورسل فلم جیسے ادارے ہیں۔ یہ ادارے ایک سال میں 6 سے 9 ارب ڈالر کا کاروبار کرتے ہیں۔

میڈیا کی یہ مارکیٹ بعض موقعوں پر نسل پرستی، جنسی سرگرمی اور آمریت کے خلاف بھی پروگرام پیش کرتی ہے۔ ان پیغامات کو دنیا کے ان حصوں میں قبولیت ملتی ہے جہاں ظلم اور ناانصافی ہے۔ عام حالات میں ان اداروں کو حالات حاضرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ کھلے عام کہتے ہیں کہ ہمارا کام یہ ہے کہ صنعتی دنیا کے اشتہارات کو آگے پہنچائیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی کام نہیں۔

انڈین میڈیا کے خاندان پر اثرات

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ہندوستانی معاشرہ کی ایک بنیادی کمزوری کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے یہاں کے شاعر وصورت گر دافسانہ نویس کے ذہنوں اور اعصاب پر جنسیات کے غلبہ کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ہندوستان کی قدیم تاریخ نے جنسی پہلوؤں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز کی ہے، ایلورا، اجنٹا اور کھجوراہو میں موجود مجسمے اورنقوش، یہاں کی مذہبی کتابوں اور اس مذہب سے متعلق شخصیات، دیو، دیوتاؤں کی تصویر کشی اور ان کے جنسی مشغلوں میں بھی یہ پہلو غیر معمولی حد تک غالب ہے، بلکہ جنسی اتصال وتعلقات نے تقدس کا درجہ حاصل کر لیا تھا، جس کے اثرات لازمی طور پر ہندوستانی معاشرے پر پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے شعراء وادباء اور جدید دور کے ترجمان اور قدیم ہندوستان کی تاریخ اور اس کی معاشرتی، مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کی تصویر کشی کرنے والے فلم سازوں نے اپنی تخلیقات میں اس پہلو کو نئی سمتیں اور وسعتیں دی ہیں، ہم اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر سے جس چیز کو عریاں اور فحش اور بیہودہ قرار دیتے ہیں، اور اسلامی تصور عصمت وعفت کے خلاف سمجھتے ہیں وہ یہاں کی اکثریت کی نظر میں عین تقدس بلکہ مذہبی وثقافتی وراثت ہے، جس کا سرچشمہ کام شاستر، ایلورا، اجنٹا اور کھجوراہو کے غار ہیں، اور مہادیو اور کرشن کی جنسی ابو العجبیاں ان کے لیے عملی نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔[۱۰۴]

آزادی کے بعد ہندوستان میں مغربی فلموں کی نقالی میں جو فلمیں تیار ہوئیں اور جو رسائل وناول شائع کیے گئے جاتے تھے، 1960ء کے بعد آزادانہ جنسی تعلقات پر مبنی ناول فحش انداز میں لکھے تو جاتے تھے لیکن ان کو خفیہ طور سے سپلائی کیا جاتا تھا، ایک خاندان کے لوگ صاف ستھری فلمیں (جو گھریلو تعلقات اور پاکیزہ معاشرتی پہلوؤں کو پیش کرتی تھیں) دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے، لیکن ثقافتی وتہذیبی تبادلوں کے نام پر مغرب کی جو فلمیں یہاں دکھائی جاتی تھیں، انہوں نے ہندوستان کے ذوق ومعیار دونوں کو ہی بگاڑ کر رکھ دیا، ان مغربی فلموں کو پہلے بالغوں کے لیے مخصوص کر دیا جاتا تھا، لیکن اب تو زیادہ تر ہندوستانی فلمیں بالغوں ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ پہلے یہ فلمیں سینما گھروں میں دکھائی جاتی تھیں، اب وی سی آر کی بدولت اور ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ کی ایجاد کی وجہ سے دینی واخلاقی قدروں سے ناآشنا گھر سینما ہال اور عریاں کلب میں تبدیل ہو رہا ہے۔

عریاں فلموں کے علاوہ ہندوستان کے طول وعرض میں اس وقت کم از کم ایک سو ایسے رسائل نکل رہے ہیں، جو عورت کے تقدس اور ان سے وابستہ اخلاقی اقدار کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہیں، اس نوع کے رسائل میں فینٹسی FANTASY ایک ایسا نام ہے جس نے فی الحال باقی ماندہ اقدار واخلاقیات کی تمام آوازوں کو دبا کر رکھ دیا ہے۔[۱۰۵]

فینٹسی کے علاوہ ڈیبونیر (DEBONAR) نامی ایک اور انگریزی رسالہ مدت سے شائع ہو رہا ہے، اور یہ اپنی تمام تر عریانیت کے باوجود نام نہاد ترقی پسند حلقوں میں مقبول ہے، ان دو رسالوں کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد رسائل گجراتی، ہندی، مراٹھی، ٹمل اور کنڑ زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں اور تمام حدود پار کر کے ہندوستانی معاشرہ کو جنسی سمندر میں ڈبو رہے ہیں۔

جنسی بے راہروی کے ساتھ ساتھ، دہلی میں دوسرے اخلاقی جرائم کی بھی بھر مار ہیں۔ منشیات میں دہلی کا مقابلہ واشنگٹن اور لندن سے کیا جاتا ہے، سرکاری اعداد وشمار سے 1996ء میں شراب نوشی کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے مندرجہ

ذیل اعداد وشمار ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں۔

دہلی میں 35% سے 70% تک قیدی شراب کی وجہ سے سزا کاٹ رہے ہیں۔

جنسی جرائم کے 60% واقعات شراب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

عصمت دری کے 69% حادثات نشہ آور اشیاء کے استعمال کی بنا پر ہوتے ہیں۔

چوری کے 50% واقعات میں شراب نوشی کی لت کو دخل ہے۔

طلاق کے 80% واقعات شراب کی وجہ سے پیش آئے۔

سڑک کے 90% حادثات شراب پی کر گاڑی چلانے سے پیش آئے۔

یہ تو وہ جرائم ہیں جو سرکاری اعداد وشمار بتاتے ہیں، اور وہ بھی دہلی کے ایک شہر کے جو صوبہ کے برابر ہے۔

مغربی میڈیا کے اثرات

مغربی معاشرہ پر میڈیا کے تباہ کن اثرات کے بارے میں خود مغربی دانشوروں کی رائے میں اختلاف نہیں، یہ عجیب بات ہے کہ مشرقی ملکوں کے لیے بھی وہ ان فلموں کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ کی زیر سرپرستی منعقد ہونیوالی 10 مارچ 1993ء کی کانفرنس میں جارج ٹاؤن یونیورسٹی واشنگٹن کے پروفیسر ڈاکٹر والٹر برنس کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ:

راک میوزک، ہالی ووڈ کی فلمیں اور دوسرے تفریحی پروگرام جو امریکہ باہر کے ملکوں میں بھیجتا ہے، وہ نہ صرف وہاں کے معاشرہ پر بہت مضر اثرات چھوڑتے ہیں بلکہ امریکی معاشرہ کے تصور کو بھی داغدار کرتے ہیں۔ ۲۵

امریکی یونیورسٹی کے پروفیسر کی 17 سالہ تحقیق:

ڈاکٹر ڈینیل اے انڈرسن میسوچسٹس یونیورسٹی کے نفسیات کے پروفیسر اپنے سترہ سالہ تحقیق کے نتائج کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

> ”ٹی وی کے تشدد سے بھرپور پروگرام بچوں کی حقیقی زندگی میں جنگجویانہ مزاج پیدا کرتے ہیں۔ وہ بچے جو ٹی وی پر زیادہ ماردھاڑ اور تشدد آمیز پروگرام دیکھتے ہیں، زیادہ جارح پائے گئے ہیں اور طویل مدت پر محیط تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تشدد آمیز پروگرام دیکھنے سے آئندہ زندگی میں بھی ان کے مزاج میں تشدد اور لڑائی جھگڑے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔“

بلد مرد پاذر کے نظریے کے مطابق 49 فیصد قانون کی گرافت سے بھاگنے اور پولیس کو چکر دینے کے طریقے انہی فلموں سے سیکھتے ہیں تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ 25 فیصد عورتیں بری فلموں کے زیرِ اثر برائی اور بدکاری کی راہ پر چل پڑی ہیں۔ 54 فیصد عورتیں لاپرواہ فلمی ستاروں کی تقلید میں قحبہ خانوں اور برائی کی محفلوں کی زینت بنی ہیں۔ ۲۶

۲۵۔ نذر الحفیظ ندوی ”سیکولر میڈیا کا شرانگیز کردار ص ۲۰۷ (کرسچین سائنس مانیٹر مارچ ۱۹۹۲ء)

۲۶۔ Walter burnes: confrence of American Enterprise: 10 March 1996.

ان تحقیقات سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ میڈیا نے خاندانی نظام کو کس حد تک متاثر کر دیا ہے۔ میڈیا پر بے حیائی اور عریانی کے فروغ نے خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ فحاشی کے اس طوفان میں ہم بھی گھر چکے ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ بھی بے حیائی اور فحاشی کے علمبردار بن چکے ہیں اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔

ہمارے معاشرے پر میڈیا کے اثرات

ہر قوم و ملک کی بقا و ترقی، فکر و عمل کی رہنمائی، نظریات کی پختگی اور اپنی تہذیب و معاشرت پر فخر کے لیے ذرائع ابلاغ فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ 21ویں صدی کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ معلومات کے بسرعت اثر انداز ہونے والی صدی ہے۔ اسی لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ اور میڈیا کے انقلاب کو اس صدی کا امتیاز قرار دیا جا رہا ہے۔

عہد جدید کا استعماری عزائم کا حامل مغرب امریکہ کی سربراہی میں دنیا میں اپنے دو اہداف کی تکمیل کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ ان میں سے پہلا ہدف تو یہ ہے کہ دنیا بھر کی دفاعی صلاحیتیں سلب کر لی جائیں اور دوسرا ہدف ثقافتی غلامی کا ہے۔ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ذرائع ابلاغ اس کا پہلا محاذ ہے۔ اس نفسیاتی حربے کے ذریعہ Global Culture کا نعرہ لگا کر جس کلچرل ایجنڈے کی تکمیل کی جا رہی ہے اس کا دلفریب نعرہ ہے ''آزادیٔ نسواں''۔

نیو ورلڈ آرڈر میں ہوسناک مردوں کی عیاشی کا ذریعہ بننا اس عورت کا امریکی ساختہ مقدر ٹھہرا ہے۔ عورت کے ذریعے اسلامی تہذیب کے خدوخال کو مسخ کرنے کے لیے اسلام دشمن عناصر میڈیا کو خوب استعمال کر رہے ہیں، جہاں اسے سرتاپا حسن کی علامت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس تمام پسِ منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں موجودہ مناظر میں بالعموم اور ذرائع ابلاغ کے حوالے سے بالخصوص یہ دیکھنا ہے کہ پاکستانی معاشرت پر اس کے کیا اثرات نمایاں ہیں؟ اور یہ کہ میڈیا کا اصل رخ کیا ہونا چاہیے۔

ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آنے والے ملک میں خواتین کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ تھا کہ وہ اس نظریاتی مملکت کی بقا اور تحفظ، اسلامی معاشرت کے فروغ کے لیے نئی نسلوں کی تربیت اس نہج پر کریں کہ پاکستان واقعی اسلام کا قلعہ بن سکے۔ اس عظیم کام کے لیے خواتین کی ایسی تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی جو خاندانی نظام کو مستحکم کرتی۔ اسلام کے نزدیک عورت کا تصور بہترین بیوی، بہترین ماں اور بہترین گھر والی کا ہے۔ اس کے لیے ناگزیر تھا کہ آزادیٔ نسواں کے نام پر عورت کا استحصال کرنے کے بجائے مرد و عورت کی کامل مساوات کے غیر فطری تصور کو رد کیا جاتا۔ چراغ خانہ کے بجائے شمع محفل بننے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جاتی۔ سادگی و حیا جیسی اقدار کو فروغ دینے کی کوشش کی جاتی۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ بلکہ مغرب کی نقالی اور غلامی نے اسلامی تعلیمات سے بغاوت کو فروغ دیا ہے۔ ان تمام باتوں کا مشاہدہ ہم اپنے معاشرے میں بآسانی کر سکتے ہیں۔ خواتین میں گھریلو زندگی سے بیزاری کا بڑھتا ہوا رجحان، آزادی کے مطالبے، تعلیمی اداروں میں طالبات کی گفتگو اور پسند و ناپسند کا معیار کسی بڑے طوفان کی آمد کا اشارہ دے رہے ہیں۔

ایک پاکستانی 'خاتون افسانہ نگار' لکھتی ہیں: ''کسی صدی میں بھی عورت کو اتنا ذلیل نہیں کیا گیا جتنا کہ اب۔ پہلے عورت حرم میں ناچی، غلاموں کی منڈی میں ناچی اور اب عورت ہر صفحہ پر، ہر پراسس پر اور ہر اشتہار میں عریاں ہے، یہ اب

عورت کا سراسر تجارتی اور فحش استعمال ہے''۔ ۲۷ؔ

ہمارے ہاں سرکاری سرپرستی میں ملک کے عوام بالخصوص خواتین اور نوجوان طبقہ کو بے مقصدیت ، بے راہ روی کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور ملک کی نظریاتی بنیادوں کو گرانے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں۔ خود کو سیکولر اور لبرل ظاہر کرنے کے لیے مغربی اور ہندوانہ طرز زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے حوالے سے سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عورت کے تشخص اور وقار کو بری طرح مجروع کیا جا رہا ہے۔ جہاں عریاں اور فحش ڈراموں، مخلوط محافل موسیقی اور اشتہارات کے ذریعہ عورت کو غیر ساتر لباس میں پیش کر کے اس کی نسوانیت کو برسرِ عام رسوا کیا جا رہا ہے۔

یہ حقیقت توجہ طلب ہے کہ بیجنگ کانفرنس (جو حقوقِ نسواں کے نام پر اسلامی تہذیب مسخ کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی) میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ایشیائی ممالک میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عورت کے حقوق کے نام پر برتھ کنٹرول اور خاندانی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا جائے گا۔ آج ہمارے ٹی وی پر جو صبح و شام چابی والی گولیوں، سبز ستارہ کے ٹیکوں اور کنڈوم کے بیہودہ اشتہارات کی بھرمار ہے یہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے اس ہدف کا نتیجہ ہے جس کے تحت وہ مسلم ممالک میں اقتصادی، ابلاغی اور ثقافتی طور پر اپنے پنجے گاڑنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی ممالک ہی ان طاقتوں کے لیے خطرے کی گھنٹی ہیں۔ اگر خدانخواستہ مغربی ماحول، روایات و اقدار ہمارے ہاں بھی پرورش پا گئیں تو یہی وقت ان NGOs اور ان کے سرپرستوں کی کامیابی کا ہوگا۔ اسی طرح پرنٹ میڈیا بھی اسلام اور اسلامی تہذیب کے بجائے قومیت، مادیت اور مغربیت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ مختصر لباس، میک اپ سے مزین چہرے پر مشتمل ماڈلز کو مختلف اسٹائلز کا عنوان دے کر Exploit کیا جاتا ہے۔ جہاں خواتین کی شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی لوٹی جا رہی ہے۔ ایسی ننگی ثقافت پروان چڑھانے والے شاید احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام جو ثقافت دیتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ روشن خیال اور معاشرے کے لیے قابل قبول ہے۔

آج کا دورِ عہد ابلاغیات ہے۔ اس وسیع و عریض دنیا کو ایک اکائی میں اسی ابلاغیات نے بدلا ہے۔ موجودہ معاشرے میں معلومات آکسیجن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ میڈیا کی جدید تکنیک اور ضرورت نے معلومات کا سیلاب لا کر ہر ایک سے اپنی اہمیت اور طاقت کو تسلیم کروایا ہے۔ امریکہ جیسی واحد سپر پاور سے لے کر ملایا جیسی چھوٹی سی ریاست تک کوئی میڈیا سے آنکھیں دو چار کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اب تو میڈیا نے خود کو ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر بھی منوا لیا ہے۔ مقنّنہ قانون بناتی ہے۔ عدلیہ اس کی تشریح کرتی ہے، انتظامیہ اسے نافذ کرتی ہے اور میڈیا اس سارے عمل کے لیے رائے عامہ تیار کرتی ہے۔

نامور امریکی صحافی والٹر لپ مین نے اپنی کتاب 'رائے عامہ' میں ایک جزیرے کی کہانی بیان کی ہے جہاں چند انگریز، فرانسیسی اور جرمن رہتے تھے۔ بدقسمتی سے وہاں ڈاک پہنچنے کا انتظام نہیں تھا۔ دو اڑھائی ماہ بعد ایک کشتی کے ذریعے

۲۷۔ روبینہ فرید، میڈیا کا اخلاقی آزادی اور ہماری ذمہ داریاں۔ ص ۳

مختصر سی ڈاک ان تک پہنچتی تھی۔ 14، 15 ستمبر 1914ء کے دن تھے مختلف قوموں اور ممالک سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ محبت اور قربت سے رہتے تھے اور باہم مل جل کر ڈاک لانے والی کشتی کے منتظر تھے۔ آخر کار کشتی پہنچی، کیپٹن نے ڈاک ان کے حوالے کرنے کے علاوہ یہ خبر بھی سنائی کہ اوائل اگست سے برطانیہ فرانس، جرمنی کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جنگ کی خبر سنتے ہی لوگوں کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا حالانکہ جب سے جنگ شروع تھی بے خبر یہ لوگ محبت و الفت سے اکٹھے رہ رہے تھے۔ بس ایک خبر نے رویے بدل دیے۔

لپ مین کا خیال ہے کہ قوموں کا رویہ ایک دوسرے کے بارے میں اس تصویر کے مطابق بنتا ہے جو ان کے ذہنوں میں تشکیل پاتی ہے اور اس تصویر کو بنانے میں ان معلومات کا بہت ہاتھ ہوتا ہے جو کسی معاشرے کے عام انسان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کسی ملک یا معاشرے میں ذرائع ابلاغ جس آزادی، ایمانداری اور ذمہ داری سے معلومات پہنچاتے ہیں ویسا ہی ایماندار اور ذمہ دار ذہن و کردار پروان چڑھتا ہے۔ کسی قوم کے مزاج اور کردار کا اعلیٰ ترین اظہار اس کی صحافت اور ذرائع ابلاغ ہی کے ذریعے ہوتا ہے کسی قوم یا ملک کا میڈیا اس کی سیاست، ثقافت، فکری بالیدگی اور قومی اداروں کے عزائم اور حوصلوں کا عکاس ہوتا ہے۔ آزاد میڈیا وہ واحد معیار ہے جس پر چل کر کوئی قوم اپنی مجموعی شخصیت و حیثیت، اپنی کمزوریوں اور خوبیوں اور اپنی کامیابیوں و ناکامیوں سے آگاہ ہوتی ہے۔ کسی پابند معاشرے کا مقید یا مقبوضہ میڈیا اس سماج کا حقیقی عکاس و مظہر نہیں ہوسکتا۔ ۲۸

ناجائز آمدنی کے ذرائع کی طرف رغبت

ذرائع ابلاغ کے موجودہ دور سے قبل افراد میں قناعت اور محدود ضرورتوں کا تصور تھا۔ تھوڑا ملنے پر بھی شکر گزاری کے احساسات بہت زیادہ ہوتے تھے۔ اکثر کی نگاہیں اپنے سے اوپر والوں کی بجائے نیچے والوں کی طرف ہوتی تھیں لہٰذا تھوڑا بھی زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ لامحدود ضرورتیں آمدنی کے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر اکساتی ہے، White Coller جرائم کی ایک بڑی بنیادی وجہ ذرائع ابلاغ بھی ہے، جو قناعت کے جذبات ختم کر کے لوگوں میں ھل من مزید یعنی زیادہ سے زیادہ کے حصول کی آگ بھڑکانے کا سبب بن رہے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کا ایک اہم نفسیاتی پہلو جرائم کے رجحان کا فروغ ہے۔ ذرائع ابلاغ میں جرائم کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ مزید کئی جرائم کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔ مجرموں کو جرائم کے تذکرے سے شہہ ملتی ہے۔ احساس گناہ میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہ احساس تقویت پہنچاتا ہے کہ یہ جرم کرنے والے صرف ہم ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ جرائم کی تفصیلات سے مجرموں کو کئی نئی تکنیکوں کا پتا چلتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ خبر:

''امریکہ میں ہونے والی انٹرنیشنل طوائف کانفرنس میں دو پاکستانی طوائفیں بھی شرکت کریں گی۔'' ۲۹

۲۸۔ عبدالرشید شیخ، آزادی، ماہنامہ ھم شہری: ۱۹ جون ۲۰۰۹ء، ص ۴۶

۲۹۔ روزنامہ پاکستان ۱۴؍ مارچ ۱۹۹۷ء بحوالہ ''ڈاکٹر ابوحمزہ'' اصلاح ذرائع ابلاغ نمبر'' پکار ستمبر اکتوبر ۱۹۹۸ء

بچوں پر میڈیا کے اثرات

عریانیت اور فحاشی کے اس سیلاب نے نوجوانوں کے ساتھ بچوں کے ذہنوں پر بھی برے اثرات ڈالے ہیں آج کا نوجوان عورت اور سیکس کو اپنی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ سمجھتا ہے۔ اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش نے ذہنی انتشار اور بے مقصدیت کو فروغ دیا ہے۔ پاکستانی ذرائع ابلاغ اسلام کی صحیح اور پر اثر تصویر پیش کرنے سے گریزاں ہیں بلکہ ہمارا میڈیا بڑھ کر غیر اسلامی اور غیر اخلاقی پروگرامز کو ترویج دیتا ہے۔ بچوں کے لیے پیش کیے جانے والے کارٹون پروگرامز جو غیر ملکی چینلز سے لیے جاتے ہیں ان میں نسوانی کرداروں کے مختصر لباس اور ذو معنی جملوں نے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے سوا کوئی تفریح مہیا نہیں کی۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈش، کیبل، انٹرنیٹ نے ان نوجوانوں کو ایک ایسی دنیا سے روشناس کروادیا ہے جہاں ملنے والی ذہنی عیاشی ان کو دین اور اخلاقی تعلیمات سے بہت دور کرتی چلی جارہی ہے۔ حالانکہ یہی وہ میڈیا تھا جس نے تحریک پاکستان کے دوران بچے بچے کو روح جہاد اور اسلام کے لیے کٹ مرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ یہی وہ ذریعہ تھا جس کے ذریعہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران کثیر سرمائے کا قومی دفاعی فنڈ جمع کیا گیا۔ اسی ذرائع ابلاغ کی معجزہ نمائی تھی کہ 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران ہڑتال کروانے، جلوس نکالنے سے لے کر مطالبات منوانے تک کے عمل میں پوری قوم متحد ہوگئی۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج اسی میڈیا نے مغنیوں، اداکاروں، انڈین فلموں اور تہذیب کے ساتھ مغربی افکار کو پاکستانی معاشرے کے لیے آئیڈیل بنادیا ہے۔

بچے اور میڈیا کا معاشرتی زہر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ۳۰

''جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا تو یہ شیطان اس شخص کو فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں یہ بات بتائی ہے کہ شیطان انسان کو غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اس کی پیروی سے انسان فحاشی اور برائی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

مشہور امریکی ماہرِ نفسیات ڈاکٹر جیمس گاربارینو کے مطابق میڈیا پر بچوں اور نوجوانوں کو جو کچھ دکھایا جاتا ہے اور جس طرح سے تشدد اور فحاشی کے مناظر اُن کے ذہن پر نقش کیے جاتے ہیں وہ ایک طرح کا 'معاشرتی زہر' (Social Toxicity) ہے۔ ڈاکٹر گاربارینو کے مطابق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کس طرح پچھلے چند سالوں میں ہمارے معاشرتی ماحول کا معیار گرا ہے۔ اس کے علاوہ یہ جاننا بھی اہم ہے کہ معاشرتی اور ثقافتی زہر کس طرح تیار کیے جاتے ہیں اور وہ کیسے بچوں کی معاشرتی زندگی کو زہر آلود کرتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے ماہر نفسیات (Leonard Eron) لیونارڈ ایرون اور اس کے معاون سائنسدانوں نے میڈیا کے پُر تشدد مناظر کے اثرات کا کچھ بچوں پر اُن کے نوجوان ہونے کے عرصے تک معائنہ کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جس طرح کچھ لوگوں کو تمباکو نوشی سے کینسر ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں

۳۰۔ النور۲۴:۲۱

اُسی طرح کچھ نوجوانوں پر میڈیا پر تشدد کے مناظر (Scenes of violence) دیکھنے کے اثرات زیادہ زہر آلود ہوتے ہیں تاہم دونوں میں بلاواسطہ تعلق (Direct connection) موجود ہے۔ اِس بات کی تصدیق امریکن سائیکولوجیکل ایسوسی ایشن کے ماہرین کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق جیسے تمباکونوشی پھیپھڑوں کے سرطان کی واحد وجہ نہیں ہے۔ ۳۱

اِسی طرح ٹی وی بھی نوجوانوں میں جرائم کی واحد وجہ نہیں تاہم یہ سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مزید برآں پہلے سے معلوم کرنا کہ کون میڈیا کے غلیظ اثرات سے متاثر ہوگا ویسے ہی مشکل ہوتا ہے جیسے یہ معلوم کرنا کہ تمباکونوشی کرنے والوں میں سے کون پھیپھڑوں کے سرطان کا شکار ہوگا۔

ذرائع ابلاغ کے بچپن پر زہر آلود اثرات

پاکستان کے مشہور انگریزی اخبار THE NEWS کے 4 اگست 2009ء کے شمارے میں انعم اوپل کا ایک تحقیقی آرٹیکل Mind your children شائع ہوا جس میں آج کل کے معصوم بچوں کے معصوم ذہنوں کو پراگندہ کرنے اور اخلاق باختہ فحش کارٹون پروگرامز کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ آج کل کے بچوں کے منہ سے اکثر ایسی فحش باتیں سن لیتے ہیں جو کہ ہمیں 18 سال کی عمر میں بھی بمشکل معلوم ہوتیں تھیں اور جب ان سے تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلاں کارٹون پروگرام میں فلاں کردار ایسے کہہ رہا ہے۔ یہ وہی کارٹون پروگرام ہیں جن کے لیے ہم اپنے معصوم بھولوں کو خود ٹی وی سکرین کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ”تم یہ دیکھ لو، میں ذرا اپنا کام نپٹا لوں“ اور اسی کام نپٹانے کے دوران آپ جو بات سوچ بھی نہیں سکتے وہی بات آپ کے بچے بڑے فخر سے بیان کر رہے ہوتے ہیں۔

> ”ہمارے پرانے زمانے کے بچوں کے پروگرام انتہائی دلچسپ اور مفید تھے۔ والدین بے فکر رہتے تھے اور بچوں کے اخلاق و کردار کے پیمانے بھی بلند رہتے تھے مگر آج کل ایسا کچھ میسر نہیں جو کہ اخلاقی معیار پر پورا اترے۔ ہم خواہش رکھتے ہیں کہ وہ پروگرام اگر دوبارہ سے نشر کرنے کا انتظام ہو تو ہم سب کی بہت خوش قسمتی ہوگی۔“ ۳۲

مغربی ذرائع ابلاغ بچوں سے ان کی معصومیت بھرا بچپن چھین کر ان کو بچپن میں ہی بلوغت میں دھکیل رہے ہیں۔ درج ذیل کتابیں اس موضوع پر ہولناک حقائق آشکار کرتی ہیں ۔

1. Norton K L, Olds , T.S, Olive S and Dank S(1996). Ken and Barbi at the life size, Sex roles 34 (3/4), 287. 294
2. Baghurst . T. Hollenader , D . B Nardella . B and Haff G.G (2006) change in the socio cultural idael male physqiue. (Body Image) 3(1), 87-91
3. Baghurst . T . Christon , D wood J and wyatt F.B (2007) Pre adolescent male perception of action figures physqiues. Jouranl of Adolescence Health

---

۳۱۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق ”ایک آنکھ والا دجال“ ص ۹۹-۱۰۰

۳۲ Anum Opal: Mind your children: The News, August 4, 2009.

41 , 613- 615

امریکہ کے نیشنل انسٹیٹیوٹ آف میڈیا اینڈ فیملی میں مختلف شعبہ جات کی طرف سے سروے کیے گئے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ کس طرح سے بچوں پر اور خاندان کے رویوں پر اثر انداز ہورہے ہیں۔

بچے اور ذرائع ابلاغ کا ہنگامہ

جب بچہ 18 سال کا ہو جاتا ہے۔ وہ ٹیلی ویژن پر چلنے والے پُرتشدد مناظر میں 40,000 قتل اور 20,000 مار دھاڑ پر مبنی مناظر دیکھنے کا شاہد ہو جاتا ہے۔

۸ سے ۱۸ سال کی عمر تک پہنچنے والے بچے ایک ہفتے میں تقریبا 44.5 گھنٹے کمپیوٹر کے آگے بیٹھ کر وقت گزارتے ہیں اور ان کا باقی ماندہ وقت ٹی۔وی اور سکرین کے ساتھ گزرتا ہے۔

1950ء سے لیکر اب تک تقریبا 1000 سے زیادہ سٹڈیز ٹی۔وی پر دکھائے جانے والے مناظر اور بچوں پر ان کے اثرات کے بارے میں ہوئیں۔ اس میں یہ بات سامنے آئی کہ ان مناظر کو دیکھنے کی وجہ سے عام آدمی کے رویئے، رکھ رکھاؤ میں فرق آجاتا ہے۔

اِن studies میں یہ بات ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ بچے اِس معاملے میں کسی بھی عمر کے ہوں اُن پر اِن کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچوں پر پر ان کے اثرات بہت جلدی ہوتے ہیں کیونکہ وہ بچے اِس عمر میں حقیقت میں اور خیالی دنیا میں فرق محسوس نہیں کر سکتے۔ اِس قسم کے اثرات مُرتب ہونے کی وجہ سے وہی بچے یہ سب کچھ خود بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح باہر کے لوگ بھی ان اثرات سے دور نہیں رہ سکتے اس طرح یہ برے اثرات گھر سے نکل کر معاشروں میں موجود دوسرے لوگوں تک پھیل جاتے ہیں۔

اثرات: چھ کے قریب Prominent میڈیکل گروپس جن میں امریکن اکیڈمی آف پیڈریاٹکس، امریکن اکیڈمی آف چائلڈ اینڈ سائکیٹری، امریکن سائیکا لوجیکل (psychological) ایسوسی ایشن، امریکن اکیڈمی آف فیملی فزیشن اور دی امریکن سائیکٹرک ایسوسی ایشن نے ان اثرات کے خطرات سے عوام کو آگاہ کیا ہے۔

عام لوگوں پر میڈیا کے اثرات

تحقیقی مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلسل .T.V دیکھنا، اور کمرشل شوز دیکھنا لڑکیوں میں جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بہت سی تبدیلیوں اور پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ ان میں یہ شوق دیوانگی کی حد تک بڑھ جاتا ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں ان ماڈلز جیسی نظر آئیں جو ان اشتہارات میں دکھائی جاتی ہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود جسمانی طور پر ان جیسی تبدیلیاں نہ آنے کہ وجہ سے یہ پریشانی ایک نفسیاتی بیماری میں بدلنا شروع ہو جاتی ہے۔

1997ء میں کیے گئے ایک مطالعہ کے مطابق (نو سال کی عمر میں) لڑکے اور لڑکیوں پر کارٹون دیکھنے کے بعد Stereotypical انداز میں اثر ہوتا ہے اسکی وجہ سے بچے کارٹون فلموں میں دکھائے جانے والے مردانہ کرداروں کو Active اور Violent سمجھتے ہیں اور نسوانی کرداروں کو لڑکوں میں دلچسپی لینے والی سیدھی سادھی مخلوق۔

Dr. Nancy Signorielli, جو کہ یونیورسٹی آف ڈیلاوئیر میں Communications کی پروفیسر ہے، نے اس میڈیا کے حوالے سے تحقیق کی جس کو اکثر نوجوان لڑکیاں شوق سے دیکھتی ہیں۔اس تحقیق کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی کہ لڑکیاں اکثر ان کرداروں کو بہت پسند کرتی ہیں جو نہ صرف ذہین ہوتی ہے بلکہ بغیر کسی روک ٹوک کے آزاد طرز زندگی گزرانے کے ساتھ ساتھ محبت اور رومانس سے لگاؤ رکھتی ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس مردانہ کرداروں میں اپنے کاروبار اور کام سے لگاؤ رکھنے والے افراد پسند کیے گئے۔۳۳؎

میڈیا میں عورت کا استحصال

اس وقت پوری دنیا کے گلوبل ویلج بننے کے بعد ذرائع ابلاغ کے موثر کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میڈیا کی بدولت دنیا نے ترقی کی منازل تیز رفتاری سے طے کیے ہیں۔لیکن اسکے منفی استعمال نے مساوات مردوزن کے دلفریب نظریے کی آڑ میں عورت کا بے دریغ استحصال کیا ہے۔ فطرت کے خلاف اس کاروائی نے برائی فحاشی اور جنسی تحریکات سے صنف نازک کو اس کے اصل مقام و مرتبے سے گرا کر صرف ماڈل اور کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے۔آج ذرائع ابلاغ کی فکری یلغار کا تیز رخ مسلمان عورت کی طرف ہے۔عورت کو علم اور آگہی کے ہتھیار کے ساتھ میدان عمل میں جدوجہد کرنا ہے اور میڈیا کو مثبت سوچ فراہم کرنا ہے۔اسی شعور کی منزل پانے کے لیے ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی حلقہ خواتین نے 'میڈیا میں عورت کا استحصال' کے موضوع پر ایک کنونشن کا انعقاد کیا۔اس میں شرکاء نے میڈیا پر عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کے بارے میں اظہار خیال کیا اور بہت اہم نکات سامنے آئے۔ ذیل میں اس چند اہم نکات پیش کیے جا رہے ہیں:

عافیہ سرور:- عورت معاشرے کا نصف ہے، جب وہ اُم یعنی ماں بن جاتی ہے تو اُسکا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ عورت کو اُسکے اسلامی حقوق سے متعارف کرانے،فطری اخلاقی اور قانونی طور پر اسکا حق دلانے کی ضرورت ہے۔ دور جدید میں عورت کے بارے میں شبہات کا ازالہ،عورت کی حیثیت اور حقوق کو متاثر کرنیوالی رسومات کا خاتمہ، ان کے حقوق کا حصول، پہچان کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی کا شعور، انہیں سماجی، معاشی، قانونی، تعلیمی اور طبی حقوق کی فراہمی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ان سب کاموں کے علاوہ اہم ذمہ داری جو ادارہ ادا کر رہا ہے، وہ عورت کے میڈیا میں استحصال کے خلاف آواز بلند کرنا ہے۔میڈیا میں غیر مسلم نظریات کے غلبے اور بے حیائی کے کلچر کے فروغ، آزادی کے نام پر عورت کو ذہنی اور فکری طور پر مغلوب کر دیا گیا۔ مساوات مردوزن کے دلفریب نظریے کی آڑ میں عورت کا بے دریغ استحصال کیا جا رہا ہے۔ ڈراموں میں فحش ڈائیلاگ فیملی پلاننگ کے بے ہودہ اشتہارات، عریاں لباس میں عورتوں کا رقص دیکھ کر سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔مغربی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر گھریلو عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔تاکہ عورت بغیر معاشی مجبوری کے گھر سے نکلے اور یوں فطری خاندانی توازن بگڑ جائے۔عورت کو اپنی نظریاتی ثقافتی، مذہبی، تہذیبی پہچان کو برقرار رکھنے کے لیے میڈیا کی دو دھاری تلوار سے نبرد آزما ہونا پڑے گا، میڈیا کو مثبت سوچ فراہم کرنا ہوگی۔

سینٹر ڈاکٹر کوثر فردوس:- پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن اسلام ہمیں جو احکامات دیتا ہے، پاکستانی

۳۳؎ National Institute of Media and Family USA, URL:www. mediafamily.org

معاشرہ اُسکے بالکل الٹ دکھاتا ہے، اسلام نے عورت کو وہ عزت اور مقام دیا جو اسے کبھی حاصل نہ تھا۔ آج کے معاشرے میں خواتین کی عزت واحترام اورحقوق وکردار کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسلام نے عورت کوعزت وتکریم دیتے ہوئے سب سے بڑھ کر اسکے حقوق مقرر کیے۔ باپ کی نسبت ماں کو تین گناہ بڑا درجہ دیا گیا۔ قرآن وحدیث میں وضاحت سے عورت کے حقوق وفرائض کا تعین کر دیا گیا ہے۔ چال، لباس اور آواز سے ایسا کردار ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے جس سے برائی کا محرک پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ عالمی کنونشن سیڈا جو کہ عورتوں کے خلاف ہر طرح کا فرق ختم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اُسکی ایک شق کے مطابق عورتوں کو اشتہارات میں بطور آلہ کار استعمال نہیں کیا جائیگا لیکن صورتحال اسکے برعکس ہے۔ آج ہر کمپنی اپنی اشیاء کی فروخت کے لیے عورت کو بطور آلہ کار (ماڈل) استعمال کر رہی ہے پورا شہر خواتین کی تصاویر کے بل بورڈز سے بھرا پڑا ہے۔ میڈیا میں عورت کو عریاں دکھا کر اُسکے کردار کو شرمناک بنا دیا گیا ہے۔

سمیحہ راحیل قاضی (راقمہ):۔ اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں میڈیا مادر پدر آزاد ہو گیا ہے۔ اس کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کے لیے پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ یہ قوم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ ملک حضورؐ کی اُمت کی بیٹیوں کا ہے۔ نبی کریمؐ نہ صرف محسن انسانیت تھے بلکہ وہ تحفظ انسانیت کے لیے بھی آئے تھے۔ آپؐ نے چودہ سو سال پہلے عورت کو وہ حقوق دیے جو آج کا کوئی بھی قانون دینے سے قاصر ہے۔ آج معاشرے میں مایوسی ختم کرنے اور خبر پھیلانے کی ضرورت ہے۔ قرار داد مقاصد کی اصل بنیاد کو زندہ کرتے ہوئے میڈیا میں عورت کا استحصال ختم کرنا ہوگا۔ عورت کو اصلی مقام واپس دلانا ہوگا۔ تاکہ وہ معاشرے کی بہتری اور ترقی کا ذریعہ بن سکے۔

فرح ناز (صدر منہاج القرآن ویمن لیگ):۔ میڈیا تعلیم کا ایسا ذریعہ ہے کہ کسی سکول یا اکیڈمی کی نسبت ذہنوں کو بہت جلد بھاتا ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر اسکے مقاصد عظیم ہونے چاہئیں لیکن ہمارے میڈیا نے عورت کو اشیاء بیچنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

غزالہ سعد رفیق:۔ آج معاشرے میں عورت کو ایک آلہ کار بنا دیا گیا ہے۔ میڈیا کا کردار معاشرے میں بہت اہمیت کا حامل ہے جس سے بچے، ان پڑھ بھی سیکھتے اور اپناتے ہیں، اسکے کردار پر چیک اینڈ بیلنس کی ضرورت ہے تاکہ نوجوانوں کی تربیت صحیح اسلامی اقدار کے مطابق ہو سکے۔

ذکیہ شاہنواز (مسلم لیگ ن):۔ بل بورڈ پر عورتوں کی تصاویر قابل مذمت ہیں۔ ہمیں اُنکی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا ہوگا۔

نبیرہ نعیمی (جامعہ نعیمیہ):۔ عورت ماں بہن بیٹی کی حیثیت سے باوقار مقام رکھتی ہے۔ میڈیا صرف ایک رخ کو اُجاگر کر رہا ہے۔ اسکو نام نہاد آزادی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ میڈیا کو چاہیے کہ وہ سنسنی خیزی سے پرہیز کرے۔ لباس کا ضابطہ اخلاق بنائے۔ سڑکوں پر فحاشی والے بورڈ ختم کریں۔

آمنہ طاہر (طالبہ لاہور گرامر سکول):۔ میڈیا پر عورت کو فیشن پیس کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اگر عورت ضرورت کے تحت آفس جاتی ہے تو اسے باوقار لباس میں دکھایا جانا چاہیے۔ پاکستان میڈیا کو پیمرا آرڈیننس میڈیا کے کردار کو متوازن کر سکتا ہے۔ اسکو Activate کروانے کی ضرورت ہے۔ ایسے چینلز جو مسلمان اکابرین کا مذاق اُڑاتے ہیں، اُنہیں بند

کر دینا چاہیے۔

لبنٰی زریں (نمایندہ شیعہ برادری):-اللہ نے عورت کو سب سے زیادہ باعزت مقام دیا۔ جن دنوں عرب میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا نبی کریمؐ کو بیٹی عطا کر کے اللہ نے ہمارے اوپر' پیکر' فراہم کر دیا۔ وقت نے عورت کے کردار کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اسے ہمت کے ساتھ اپنے باوقار کردار کی حفاظت کرنا ہوگی۔

اسماء اقبال (لیکچرار اپوا کالج):- مغرب میں آخرت اور جوابدہی کا تصور موجود نہیں ہے۔ میڈیا کے ذریعے اسی لادین اور بے راہ تصور کو ہم پر نافذ کیا جا رہا ہے۔ بے حسی تو یہ ہے کہ ہم نے بے سوچے اسکی اتباع شروع کر دی ہے۔ میڈیا میں عورت کا استحصال روکنے کے لیے ہمیں زبانی و قلمی جہاد کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر زیبا وڑائچ:- رب نے حوا کی بیٹیوں کو پابند سلاسل نہیں کیا تھا اور نہ ہی بالکل آزاد کر دیا کہ جو چاہے کریں، بلکہ ان کو زندگی گزارنے کا ایک ضابطہ دیا کہ گھر میں رہیں تو کیسے رہیں۔ باہر نکلیں تو باپردہ نکلیں۔ اگر بہت ضرورت نہیں ہے تو بے مقصد گھروں کو چھوڑ کر نہ جائیں۔ ہمارے میڈیا نے عورت کو ننگا کر دیا۔ مغرب کی اندھا دھند تقلید میں مبتلا عورت کو اسکے وقار کا شعور دینا ہوگا اور یہ شعور قرآن کی تعلیم سے حاصل ہوگا۔

ڈاکٹر عظمٰی (نمایندہ حزب اسلامی افغانستان):- میڈیا نے دولت کی دوڑ میں معیارات گرا دیے ہیں۔ آج مسلمان لڑکی Miss world کا مقابلہ جیت کر فخر محسوس کرتی ہے۔ میڈیا کو اسلامائز کرنے کے لیے اسلامی حکومت اولین ضرورت ہے۔

سفارشات:

کنونشن کے شرکا نے ارباب اقتدار کی رہنمائی کے لیے متفقہ طور پر درج ذیل سفارشات پیش کیں:

- ☆ الیکٹرانک میڈیا میں عورت کا عریاں لباس ممنوع قرار دیا جائے۔
- ☆ عورت کا رقص وحیا سوز طریقہ کار ممنوع قرار دیا جائے۔
- ☆ اخبارات رسائل بل بورڈ میں اگر عورت کو دکھانا ناگریز ہوتو چادر دوپٹہ اور باحیا لباس میں دکھایا جائے۔
- ☆ نجی ٹی وی چینلز پر پیمرا آرڈیننس کا طلاق کیا جائے۔
- ☆ اشتہاری کمپنیوں کو ضابطہ اخلاق کا پابند بنایا جائے۔
- ☆ ہر مکتبہ فکر اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد اور ماہرین کے مشورے سے قومی ابلاغی پالیسی تشکیل دی جائے۔
- ☆ اسلام کے منافی تہوار بسنت، ویلنٹائن ڈے، میراتھن وغیرہ کو کوریج نہ دی جائے۔[۳۴]

معاشرتی اور دینی اقدار کا خاتمہ:

ذرائع ابلاغ کے نفسیاتی حربے جھوٹ کو لوگوں کے ذہنوں میں سچ کی طرح راسخ دیتے ہیں۔ تہذیب اور بدتہذیبی

۳۴۔ کنونشن رپورٹ: میڈیا میں عورت کا استعمال، زیر اہتمام ''ویمن اینڈ فیملی کمیشن'' ماہنامہ خواتین میگزین، اگست ۲۰۰۸ء

کے معانی بدل دیتے ہیں۔'اخلاق' کے کسی بھی پہلو کو معاشرے کی لغت سے خارج کر دینا ان کے لیے کچھ مشکل نہیں ۔ پروپیگنڈے کی کامیاب صنعت استعمال کرتے ہوئے انہوں نے ہمیں بے شمار ایسے زہروں کا عادی بنا دیا ہے جن کا بالآخر انجام زوال کی موت ہے۔اس کی ایک مثال روزنامہ خبریں 26 نومبر 1993ء میں شائع شدہ ایک مضمون ہے جسے (لندن انٹرنیشنل ڈیسک) کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ مضمون خواتین سے مخاطب ہے۔ جملہ آغاز ملاحظہ ہو:

''شرمیلا پن اگرچہ مشرقی روایات کا لازمی جزو ہے تاہم فی زمانہ دنیا میں ترقی کے ساتھ ساتھ جہاں خواتین کو مختلف شعبوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنا ہے وہاں اس سے چھٹکارا پانا بھی ضروری ہے۔ شرم و حیا اگرچہ انتہائی متاثر کن چیز بھی ہے مگر ترقی کرنے اور دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے اعتماد کی اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔اب سوال یہ ہے کہ شرمیلے پن پر کیسے قابو پایا جائے......'' ۳۵

خاندانی انتشار

ذرائع ابلاغ کے سیلاب، خصوصاً ٹیلی ویژن نے خاندانوں کو منتشر کر دیا ہے۔ ٹیلی ویژن سے قبل خاندان کے بڑے بچے مل کر بیٹھتے تھے، باتیں کرتے تھے، دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے۔لیکن اب ان صحبتوں کی جگہ ٹیلی ویژن نے لے لی ہے۔تہواروں پر رشتہ داروں کے ہاں جانے ملنے ملانے کا رواج تقریباً متروک ہو رہا ہے۔ اس کی بجائے یہ بہتر سمجھا جاتا ہے کہ وی سی آر پر ایک آدھ فلم دیکھ لی جائے اور اگر رشتہ داروں کے ہاں جایا بھی جائے تو مل کر فلم دیکھنے کا ہی پروگرام بنایا جاتا ہے۔اس سے محبتیں اور خلوص رخصت ہو گئے ہیں۔

گھریلو جھگڑے

ذرائع ابلاغ کا ایک نمایاں پہلو معاشرے کے منفی پہلوؤں کو منفی انداز میں اجاگر کرتا ہے۔اخبارات آئے دن اپنی بکری میں اضافے کے لیے چٹ پٹے موضوعات پر سیمینار کرواتے رہتے ہیں جس سے اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری طرف ٹیلی ویژن کا تمام تر مطمحِ نظر اس معاشرے کے پورے ڈھانچے کو بدل دینا ہے۔ ٹی وی ڈراموں میں موجودہ خاندانی سیٹ اپ کو منفی انداز میں پیش کر کے اس کے صحیح حل کی بجائے انتشار پھیلایا جاتا ہے۔ مفاہمت کی بجائے مخالفت کی راہ دکھائی جاتی ہے۔ایسے پروگراموں نے گھریلو جھگڑوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ امریکی رائے عامہ کے سروے کے مطابق ۲ تہائی سے زائد عوام کی رائے میں ٹیلی ویژن پروگرام خاندانی اقدار سے انحطاط اور طلاقوں کی شرح میں اضافے کے سبب بنتے ہیں۔ ۳۶

ادب پر اثرات

چونکہ ادب اور ادیب بھی معاشرہ کا ایک اہم جز ہے اس لیے ذرائع ابلاغ نے ادیبوں اور ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انہوں نے عوام کو فحاشی کی جو چاٹ لگائی ہے اس کی رو سے بعض ادیبوں کو شعوری اور بعض کو

۳۵۔ روزنامہ خبریں ۲۶ نومبر ۱۹۹۳ء

۳۶۔ روزنامہ نوائے وقت ۳ مئی ۱۹۹۶ء

غیر شعوری طور پر اس کی لہر میں بہنا پڑ گیا ہے۔ رومانس کو کتاب یا کہانی مقبول بنانے کی ضرورت بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اب کئی اسلام پسند ادیب بھی یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ جب تک افسانے میں رومانس کی شیرینی نہ ہو لوگ پڑھتے نہیں۔ لہٰذا اچھی بات پہنچانے کے لیے اسے شامل کرنا ہماری مجبوری ہے۔ جب ہم امت مسلمہ کے آج اور گزرے ہوئے کل پر غور کرتے ہیں تو کرب اور اذیت کی لہریں ہمارے وجود کو ایک ایسی تکلیف سے دوچار کر دیتی ہیں جن کو کوئی عنوان دینا بھی بجائے خود ایک تکلیف دہ عمل ہے۔

پاکستانی میڈیا کے اثرات کا مختصر جائزہ

پاکستان میں خاندان کے ادارے پر میڈیا (پرنٹ،الیکٹرونک یا انٹرنیٹ) کے اثرات کے بارے میں کوئی خاص تحقیق تو ہمارے پاس نہیں ،تاہم کچھ تنظیموں کی جانب سے تیار کی جانے والی رپورٹس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خاندانی اقدار پر میڈیا کس طرح اور کس حد تک اثر انداز ہو رہا ہے۔لیکن سے پہلے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ پاکستان میں پرنٹ میڈیا یا الیکٹرونک میڈیا کے قارئین یا ناظرین کتنے ہیں۔

اس وقت پاکستان میں410اردو اخبارات، انگلش کے 61، پنجابی کے دو سندھی کے53، پشتو کے پانچ، بلوچی کے دو، سرائیکی اور گجراتی کے تین،تین اور عربی کا ایک روزنامہ شائع ہو رہا ہے،جب کہ ہفت روزہ ،پندرہ روزہ اور ماہنامے ملاکر مجموعی طور پر پاکستان میں تیرہ سو گیارہ سو کے لگ بھگ جریدے شائع ہو رہے ہیں۔۳۸ جن کے قارئین کی تعداد تقریباً ڈھائی کروڑ افراد کے لگ بھگ ہیں۔۳۹

اسی طرح الیکٹرونک میڈیا کی بات کریں تو پاکستان کی شہری آبادی کا75فیصد جب کہ دیہی آبادی کا51فیصد حصہ ٹی وی ناظر ہے،مجموعی طور پر گیارہ کروڑ کے لگ بھگ افراد روز کم از کم دو سے چار گھنٹے ٹی وی دیکھنے کے عادی ہیں۔۳۷

اور ملک کی بیس فیصد آبادی ریڈیو سننے کا شوق رکھتے ہیں۔۴۰

جب کہ اس وقت پاکستان میں تقریباً70 کے لگ بھگ مقامی چینل کام کر رہے ہیں اور غیر ملکی چینلوں کی تعداد بھی اندازاً پچاس سے زائد ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق 2004ء کے دوران ذرائع ابلاغ کو اشتہارات کی مد میں تقریباً دس ارب روپے کی آمدنی ہوئی تھی ،جس کا تناسب کچھ اسطرح کا ہے ۔پرنٹ میڈیا چار ارب دس کروڑ،ٹی وی چینلز ساڑھے چار ارب،ریڈیو بیس کروڑ اور آؤٹ ڈور میڈیا کی آمدنی ایک ارب دس کروڑ روپے رہی جب کہ اسی رپورٹ کے مطابق اشتہارات کی مد میں سالانہ دس سے پندرہ فیصد آمدنی میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔۴۱

تو یہ ایک مختصر سا جائزہ سے تھا جس سے آپ ملک میں میڈیا کی اثر انگیزی کا انداز ہ لگا سکتے ہیں،یہ درست ہے کہ

۳۷۔ آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی ۲۰۰۴ء

۳۸ Gullup Survey-2004‹Print and Electronic media readers and viewership

۳۹ Gullup Survey-2004‹Print and Electronic media readers and viewership

۴۰ Gullup Survey-2004‹Print and Electronic media readers and viewership

۴۱ http//www.civiceducation.org/download/window%20on%Pakistani20% media pkf

پاکستان میں شرح تعلیم کی کمی کے باعث اخبار بین طبقے کی تعداد کچھ زیادہ نہیں لیکن ملک کا الیکٹرونک میڈیا خاص طور پر خاندانی اقدار پر اثر انداز ہو رہا ہے ، کیونکہ اشتہارات کسی بھی اخبار، ٹی وی چینل یا ریڈیو اسٹیشن کی آمدنی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور آج کے میڈیا کے لیے اصول کے مقابلے میں خبروں میں سب سے آگے اور آمدنی کا حصول زیادہ اہمیت رکھتا ہے (مستثنیات بھی موجود ہے لیکن بہت کم تعداد میں) اسی لیے وہ اس بارے میں غور نہیں کرتے کہ ان کے الفاظ، مہم، مضمون ،اشتہار، پروگرام ،تحقیقاتی رپورٹ یا بریکنگ نیوز سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

اب میڈیا کے حوالے سے پاکستان الیکٹرونک میڈیا یا ریگولیٹری اتھارٹی یا عرف عام پیمرا کے چند قوانین کا بھی ذکر کر دیں جو فی الحال میڈیا پر لاگو تو ہے لیکن عملدر آمد ہو رہا ہے یا نہیں یہ فیصلہ آپ خود کر لیں۔

پیمرا کے قواعد نمبر 24 کی شق ایک ذیلی شق B کے تحت کوئی بھی پرائیویٹ ٹی وی چینل عریاں مناظر اور ایسے بے ہودہ وغیر اخلاقی پروگرام پیش نہیں کر سکتا جو معاشرے کی اخلاقیات پر نقصان پہنچانے والا ہوں۔

اسی قواعد کی مزید ذیلی دفعات کے ایسا کوئی بھی پروگرام نشر نہیں ہو سکتا۔

(i)۔ جو معاشرے کی بنیادی ثقافتی اقدار، اخلاقیات اور حسن معاشرت کے خلاف ہوں۔

(ii)۔ جو کسی بھی طرح ،کسی بھی مرد و عورت کے لیے توہین آمیز ہو اور جو غیر اخلاقی ہو یا اشتعال انگیزی پیدا کرے۔

(iii)۔ جس میں کسی بھی مجرم اور جرم کو پر کشش بنا کر دکھایا گیا ہوں۔

(iv)۔ کوئی ایسا پروگرام نشر نہیں کیا جا سکتا، جو کہ خاندان ،گھرانے ،ازدواجی رشتوں یا ان کے تقدس کے خلاف ہوں۔

یہ پیمرا کے ان قواعد کا ذکر ہے جو خاص طور پر پاکستانی معاشرے اور خاندانی اقدار سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی دھجیاں جس طرح اڑائی جا رہی ہے وہ تو آپ سب کے سامنے ہی ہے ۔میڈیا خاص طور یہاں پہلے یہ بات واضح کر دی جائے خاندان کی تربیت بنیادی کردار ایک ماں کی حیثیت سے ایک خاتون ادا کرتی ہے جو آنیوالے کل کی نسل کو معاشرے میں بہتر کردار ادا کرنے کے لیے تربیت کرتی ہے، جب کہ دین اسلام میں عورت کو حیا،عصمت وعفت اور پاکیزگی کے مترادف قرار دیا گیا ہے ،لیکن ہمارے میڈیا میں فوکس بھی گھریلو خاتون کو کیا گیا ہے اور ڈراموں،ٹاک شوز،اشتہارات اور اخلاق سوز رقص وموسیقی کے پروگرام ہمارے میڈیا کا طرہ امتیاز بنکر رہ گیا ہے،ان میں فحاشی کی ترویج کی جاتی ہے اور پاکستانی خواتین ان اثرات سے محفوظ نہیں۔ان سب سے جو منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ کچھ یہ ہیں۔

شرح طلاق اور بے راہ روی میں اضافہ

صحیح بات یہ ہے کہ پاکستان میں شرح طلاق کے حوالے سے کوئی خاص قابل اعتماد اعداد و شمار موجود نہیں تاہم اندازوں کے مطابق پاکستان میں شادیوں کے بعد طلاقوں کی شرح دنیا میں کم ترین شمار کی جا سکتی تھی، جس کی وجہ مضبوط مذہبی و خاندانی اقدار، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کے نتیجے میں آج سے دس برس قبل تک خواتین کی جانب سے طلاق کا مطالبہ نہ ہونے کے برابر تھا، تاہم ’آزاد میڈیا‘ کی آمد کے بعد خواتین کے حقوق کے تحفظ کی مہم کے باعث خلع (خواتین کی طرف سے طلاق طلب کرنا) کی شرح میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے ، جب کہ میڈیا میں ’روشن خیال تہذیب‘ کی ترویج سے مردوں میں

بیویوں سے بے وفائی اور نوجوان نسل میں اس کی شرح میں اضافہ ہوا ہے جس پر کوئی ثابت شدہ رپورٹس یا اعداد وشمار تو موجود نہیں مگر اخبارات کے مطالعے یا بدنام تفریح گاہوں میں جا کر وہاں موجود جوڑوں اور ان کی حرکات کے عام مشاہدے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ مغرب کی نقالی میں کپڑوں سے بے اعتنائی ،چست لباسی اور بے حیائی کا رجحان عام ہے۔

گھریلو تشدد، آبروریزی اور غیرت کے نام پر قتل

میڈیا سے جو معاشرتی انتشار پیدا ہورہا ہے اس کے نتیجے میں خواتین کے خلاف مختلف جرائم میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ 2008ء میں ہونیوالے مظالم پر شائع شدہ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں خواتین پر تشدد کے 7733 کیس درج ہوئے جن میں سے سب سے زیادہ صوبہ پنجاب میں 4360، اس کے بعد سندھ میں 1385، پھر صوبہ سرحد میں 1013 اور سب سے آخری نمبر پر بلوچستان رہا جہاں 763 کیس درج ہوئے۔۴۲

رپورٹ میں خواتین پر متعدد اقسام کے تشدد کی تفصیلات دی گئی ،جن میں اغوا، آبروریزی، جسمانی تشدد، اقدام قتل، قتل اور عزت کے نام پر قتل شامل ہیں۔علم دین سے ناواقفیت کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں دن بدن معاشرتی عدم مساوات میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے ،جس کا ایک ثبوت یہ رپورٹ بھی ہے۔دوسرا میڈیا کے ذریعے مغربی تہذیب کی ترویج کا اثر بھی تو کم علم اور سادہ افراد کے جذبات میں اشتعال انگیزی کا بہت بڑا سبب ہے۔

اسی طرح گھریلو تشدد کے معاملے کو لے تو اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے تحت ہونیوالی 2005ء میں کراچی ،لاہور، اسلام آباد اور راولپنڈی، پشاور، فیصل آباد، ملتان اور کوئٹہ میں ہونیوالی ایک تحقیق کے مطابق پاکستان میں خواتین پر گھریلو تشدد کی شرح 26 فیصد ہے، جب کہ شادی شدہ خواتین پر گھریلو تشدد کی شرح 21 فیصد ہے۔ رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ شرح اور زیادہ بھی ہوسکتی ہے کیونکہ مجموعی طور پر خواتین اس موضوع پر بات کرنے سے اجتناب برتتی ہے۔۴۳

اسقاط حمل

میڈیا کی سحر انگیزی اور جنسی جذبات بھڑکانے کے نتیجے میں پاکستان میں زنا جیسے گناہ میں اضافہ ہوا ہے، جن کو چھپانے کے لیے اسقاط حمل کی تعداد میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 2002ء کے دوران پاکستان میں تقریباً نو لاکھ اسقاط حمل کے کیس ہوئے۔۴۴

رپورٹ میں یہ تو واضح نہیں کیا گیا کہ ان میں کتنی خواتین شادی شدہ یا غیر شادی شدہ تھیں تاہم یہ واضح رہے کہ پاکستان میں اسقاط حمل پر عمل اس وقت تک غیر قانونی ہے جب تک کہ کسی کی جان کو خطرہ لاحق نہ ہوجائے۔ رپورٹ کے مطابق 54 فیصد خواتین اس لیے بھی اسقاط حمل کرواتی ہے کہ وہ مزید بچے یا ان کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔یعنی وہ اللہ کے فرمان کے برخلاف جا کر ایسا جرم کرنے کے لیے تیار ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ

۴۲۔ عورت فاؤنڈیشن رپورٹ ۲۰۰۸ء

۴۳۔ گھریلو تشدد، حقائق ، اسلام اور معاشرہ ، مصنف کاشف حفیظ صدیقی ، روزنامہ امت ، گیارہ فروری 2009ء

۴۴ World Health Organization and Alan Guttmachar Report for "Abortion in Pakistan"

بنی اسرائیل کی آیت میں فرمایا ہے کہ ''اورتم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ان کو رزق دیتے بھی ہم ہیں اورتم کو بھی۔ ان کو قتل کرنا ایک بہت بڑی خطا ہے۔''

میڈیا سے پاکستانی معاشرے کو لاحق چیلنجز

پاکستان کے موجودہ منظر نامے میں صحافی برادری معاشرے کا اہم ستون بن کر سامنے آئی ہے خاص طور پر گزشتہ پانچ برسوں میں میڈیا کی ترقی حیران کن ہے۔ کسی بھی اہم مسئلے پر رائے عامہ ہموار کرنے میں میڈیا کا کردار اہم ترین ہے، جس کی کئی مثبت اور منفی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے ۸/ اکتوبر کے زلزلے کے حوالے سے عوام میں شعور پیدا کرنے کا کریڈٹ مکمل طور پر میڈیا کو جاتا ہے، چیف جسٹس آف پاکستان کی معزولی کے معاملے میں عوامی رائے کی بیداری کے سلسلے میں میڈیا کی خدمات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اسی طرح کراچی میں سانحہ 12 مئی سے عوام کو براہ راست آگاہ کرنا اور اسی طرح کی متعدد مثبت مثالیں موجود ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ حدود آرڈیننس کو متنازعہ بنانے اور اس میں ترمیم کروانے میں میڈیا کا کردار کلیدی رہا، جس دوران اسلامی تعلیمات پر ان لوگوں سے مباحثے کرائے گئے جو دین کی بنیادی تعلیمات سے بھی آگاہ نہیں تھے۔ اسی طرح جامعہ حفصہ پر میڈیا کی منفی کوریج ہی جنرل (ر) پرویز مشرف کی وحشیانہ ایکشن لینے کی سوچ کی تقویت کا باعث بنی۔ حالیہ دنوں میں سوات معاہدہ، سوات میں لڑکی کو کوڑے مارنے کا مشتبہ واقعہ (جو ابھی تک ثابت نہیں ہوسکا)، پاکستان میں بسنت، ویلنٹائن ڈے اور اسی جیسے غیر مسلم تہواروں کو معاشرے کا حصہ بنانے میں بھی میڈیا کے فعال مگر منفی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پاکستانی میڈیا میں دو طرح کے طبقے موجود ہیں، جن میں سے ایک مسلم اقدار کے بارے میں معتدل مزاج رکھنے والے اور دوسرا سیکولر یا روشن خیال طبقہ جو ملک کو سیکولر ریاست یا لادین ملک بنانے کا خواہش مند ہے اور اس حوالے سے تعلیمی نظام اور قائداعظم محمد علیؒ جناح کے اسلامی نظریاتی ملک کی سوچ کو اپنے زورِ قلم کا ہدف بنا ہوا ہے۔

اس حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ اگست 2006ء کو ایک انگریزی اخبار میں شائع ہونے والے مضمون میں سوال اٹھایا گیا تھا کہ کلاس نہم کے نصاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، گوتم بدھ، زرتشت، کرشنا اور گرونانک کے بارے میں مضامین کیوں موجود نہیں۔ ۴۵؎

2004ء میں انگریزی کے ہفت روزہ فرائیڈے ٹائمز میں شائع ہونے والے مضمون میں فاضل مضمون نگار نے 'انکشاف' کیا تھا کہ ہم اپنے اسکولوں کے نصاب میں جہاد زیادہ پڑھا رہے ہیں بہ نسبت ...... کا تمام مواد اسلامی نقطۂ نظر سے دیا گیا ہے جس کی وجہ سے طلبہ کو...... نصاب قابل نفرت ہے۔ جس کو ٹھیک کیے بغیر ہمارے بھارت کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم نہیں ہوسکتے۔ ۴۶؎

اسی حوالے سے 2002ء میں Sustainable Development of Policy Institute (SDPI) کی سرپرستی میں تیار کی جانے والے ایک رپورٹ (The Subtle Subversion) میں پاکستان کے نصاب تعلیم میں

۴۵؎ Destruction of minds. The News August,3,2006

۴۶؎ The poison in the books we teach, by Khalid Ahmad, March 2004

تبدیلیاں تجویز کی گئی تھی، جس میں نصاب کے آزاد خیالی اور مذہب دشمنی کے تحت دیکھتے ہوئے کہا گیا تھا کہ مدارس کے ساتھ سرکاری اسکولوں میں صرف نفرت پھیلانے، برداشت کی کمی اور زمانے بھر میں بدنامی پھیلانے کے ساتھ ساتھ عسکریت پسندی پروان چڑھانے کا سبب ہے۔[۴۷]

اس رپورٹ میں پہلی سے دسویں جماعت تک کے ایسے مضامین کی فہرست دی گئی جو رپورٹ تیار کرنے والوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے اور جسے زبردستی غیر مسلم افراد کو پڑھایا جا رہا ہے جو کہ آئین پاکستان کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے ساتھ رپورٹ میں دو قومی نظریے، اسلامی تاریخ، نصاب کو محدود ذہنیت کے طالب علم پیدا کرنے کا ذمہ دار قرار دینے کے ساتھ تمام اسلامی ابواب کو نصاب سے خارج کرنے کے ساتھ خواتین کو نصاب میں مشرقی عورت کی بجائے کاروباری عورت کے طور پر پیش کرنے اور کشمیر سمیت شہدائے ستمبر 65ء کے حوالے سے مواد کے اخراج کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔[۴۸]

اس رپورٹ کے مطابق نصاب میں تبدیلیوں کا آغاز کیا جا چکا ہے جبکہ امریکہ نے بھی ساٹھ ملین ڈالر نصاب میں تبدیلی کے لیے دیئے ہیں۔ چند تبدیلیاں درج ذیل ہیں۔

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کی اردو کی ساتویں کتاب مطبوعہ 2004ء سے غزوہ بدر، بدلہ نہ لے سکے نامی مضمون حنیف جالندھری کی غزوہ بدر کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، کیپٹن سرور شہید، غزوہ موتہ کے حوالے سے مضمون ''ہمارا قومی پرچم'' ماہر القادری کی نعت ''محسن انسانیت'' اور علامہ اقبال کی نظم ''بلال'' خارج کی جا چکی ہے۔

معاشرتی علوم کی چھٹی کتاب میں ''پاکستان میں شہری زندگی'' کے عنوان سے ایک مضمون کو خارج کر دیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں SDPI کی رپورٹ کے مطابق راجہ داہر اور حجاج بن یوسف کے درمیان تنازع کو دو ریاستوں کے درمیان کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ''راجہ داہر عرب حکومت کے باغیوں کو اپنے ہاں پناہ دیتا تھا'' اسی کتاب سے سلاطین دہلی کے عنوان سے محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری کا ذکر نکال دیا گیا ہے۔

SDPI کی سفارش کے عین مطابق معاشرتی علوم کی تیسری کتاب سے حضرت آدمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباق غائب کر دیے گئے۔ نئی کتاب کے باب دہم میں سے عظیم مسلم خواتین ام المومنین حضرت خدیجہ، حضرت عائشہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے مضامین نکال دیے گئے ہیں۔[۴۹]

اسی طرح کی متعدد تبدیلیاں ہیں جو نصاب تعلیم میں کی جا چکی ہیں اور ان کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

نصاب میں تبدیلی سے وفاقی حکومت کی جانب سے 2009ء کے لیے قومی تعلیمی پالیسی کے مسودے سے اسلامی تعلیم کا پورا باب اور دیگر اسلامی شقیں نکال دیں گئی ہیں۔ ابھی یہ مسودہ کابینہ کی منظوری کا منتظر ہے۔[۵۰]

واضح رہے کہ 1999ء میں تیار کی گئی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کے حوالے سے 45 شقیں تھی، جن میں تفصیل

۴۷۔ کاشف حفیظ صدیقی ''سول سوسائٹی کا نصاب تعلیم پر وار'' روزنامہ امت، ۷نومبر ۲۰۰۷ء

۴۸۔ ایضاً ۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ روزنامہ جنگ، ۱۰/اپریل ۲۰۰۹ء

سے بتایا گیا تھا کہ پاکستان کے مسلمانوں کو کس طرح تعلیم دی جائے کہ وہ باعمل مسلمان بن جائیں اور زندگی قرآن وسنت کے مطابق گزار سکیں ۔ اس میں واضح کیا گیا تھا کہ پاکستان سیکولر ریاست نہیں لہٰذا اس تعلیمی نظام کو لازمی طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے ۔تاہم نئی پالیسی میں ان تمام شقوں کو خارج کردیا گیا ہے۔

یہاں یہ تو بات صاف ہے کہ نظام تعلیم اور نصاب میں تبدیلیوں کا واضح ہدف آنے والی نئی نسل ہوگی جو پاکستان میں مستقبل کی قیادت ، کاروبار اور معاشرتی زندگی چلائے گی ،اگر ان کو تعلیم و تربیت سیکولر طرز معاشرت کے مطابق فراہم کیا جائے گا تو کچھ نسلوں بعد یہاں بس نام کے مسلم افراد ہی موجود ہوں گے ، جن کے ذہن مغربی نظام معاشرت سے متاثر اور ان کی سوچ لادین افراد کی طرح ہوگی ۔

خواتین میں ذہنی دباؤ لانے کی کوشش

میڈیا کا ایک اور ایسا پہلو جس کے نقصان کا بڑی اکثریت کو اندازہ ہی نہیں وہ خواتین میں ایسے خواب جگانا ہے جو پورے تو خیر کبھی نہیں ہوتے ،لیکن اس کی وجہ سے ان خواب پرست خواتین کی گھریلو یا ازدواجی زندگی ضرور درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ آپ نے کبھی غور کیا ہو کہ کچھ اخبارات ،میگزین یا ٹی وی چینلز خواتین کو ایک مکمل خاتون یعنی کھانا بنانا ،گھریلو سجاوٹ اور دیگر امور کے ساتھ خوبصورت نظر آنے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، جس کے لیے وہ خواتین میں ایسی خوبیاں گنواتے ہیں جو کسی بھی نصاب تعلیم میں نظر نہیں آتی ۔

اس کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ لگتا ہے کہ جیسے نچلے یا متوسط طبقے کی خواتین کا برین واش کر کے انہیں ایک نئی شخصیت کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے ، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان خواتین کی اولین ترجیح اپنی جسمانی خوبصورتی کا حصول بن جاتا ہے ، جو پیسے کا ضیاع تو ہوتا ہی ہے لیکن ان کی گھریلو زندگیاں بھی اس بہانے تہہ و بالا ہو کر رہ جاتی ہے ، کیونکہ پھر ان کا دھیان اپنے گھر کے ہی کاموں میں بالکل اُلجھ جاتا ہے۔

خواتین کو سماجی تعلقات بڑھانے کی ترغیب

اسی طرح یہ اخبارات اور چینلز ایک اور تشویشناک سوچ کو ان الفاظ میں کہہ کر پروان چڑھاتے ہیں کہ خواتین کو اپنی خوبصورتی کی نمائش کے لیے بغیر کسی حجاب کے گھر سے نکل کر سماجی تعلقات اور تہواروں کی رونق بڑھانی چاہیے ، میڈیا کا ہی کرشمہ ہے کہ جس کی وجہ سے بسنت ،نیو ائیر نائیٹس ،ویلنٹائن ڈے اور دیگر ''روشن خیال'' تہوار میں خواتین کی مختصر تعداد (فی الحال) مغرب کی پیروی کرتی نظر آتی ہے ۔ اس طرح بہت سی سماجی برائیاں معاشرے پر غلبہ پا رہی ہے ۔

اشتہارات

خواتین کے استحصال کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں ایک محاورہ ہے کہ کم لباس خواتین کو ہر چیز کی فروخت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اور پاکستان میں بھی اس پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔ تقریباً تمام اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا میں خواتین کے جسم کو اشتہارات کا حصہ بنایا جاتا ہے ، خاص طور پر عہد حاضر میں یہ رجحان نئی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

حکومتی پالیسیوں کی پیروی

بنیادی طور پر پاکستان میں میڈیا حکومت کی پالیسیوں کی پیروی کرتا ہے جیسے حکمران ہوں گے ویسا ہی میڈیا کا عمل ہوگا۔ مثلاً جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور حکومت میں میڈیا میں سابق صدر کی ''روشن خیال'' سوچ کا بہت اثر دیکھنے میں آیا ، اسی لیے میڈیا کے متعدد شعبوں میں باقاعدہ طور پر خواتین کو بے حجابی کی طرف مائل کرنے کے لیے مہم چلائی گئی جس کے اثرات موجودہ دور حکومت میں محسوس بھی کیے جاسکتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں تو خاص طور پر حجاب کو مسلسل تضحیک اور تحقیر کا ہدف بنایا جاتا رہا ہے۔

میڈیا کے بچوں پر اثرات

دنیا کی تمام تحقیقات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نوجوان نسل اور بچوں کے ذہنوں پر اشتہارات کے اثرات واضح طور پر پڑتے ہیں اور پاکستان میں بھی بچے اور نوجوان ان سے محفوظ نہیں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے کم ازکم بارہ سال تک کی عمر کے بچے جس چیز سے متاثر ہوتے ہیں اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاق سوز اشتہارات کے ذریعے جس ثقافت کے زہر کو ان کے ذہنوں میں گھولا جا رہا ہے ، بہت کم تعداد میں بچے ایسے ہوں گے جو اس سے بچ سکے۔ اسی طرح سگریٹ نوشی کے اشتہارات اور ٹی وی ڈراموں میں شراب نوشی کے مناظر آج پاکستانی معاشرے میں کیا قیامت برپا کر رہے ہیں وہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں۔

اسی طرح کارٹون فلمیں ہیں جن میں فحاشی کے ساتھ ساتھ بچوں میں تشدد کا رجحان پیدا ہو رہا ہے، جبکہ اب بھارتی چینلوں پر کارٹونوں کے ذریعے ہندومت کی تبلیغ سے یہ خطرہ موجود ہے کہ ہماری آنے والی نسل ہندوانہ طور طریقوں کے قریب اور مسلم اقدار سے دور ہوں گی۔ ایک امریکی تحقیق کے مطابق بچوں پر کارٹونوں میں دکھائے جانے والے تشدد کا اثر تین گنا پر تشدد رویئے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

پاکستانی میڈیا میں خواتین کی عکاسی

موجودہ دور انفارمیشن کا دور کہلاتا ہے ، جس کی جان میڈیا ہے۔ الیکٹرونک یا پرنٹ میڈیا اتنا طاقتور کبھی نہ تھا جتنا آج ہے۔ آج کا میڈیا معاشرے کی رائے بدلنے ، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح ثابت کرنے کی طاقت حاصل کر چکا ہے۔ اسی پس منظر میں پاکستانی میڈیا میں خواتین کا استعمال ، کردار اور ان کا ذہن بدلنے کا جائزہ لیتے ہیں، جس سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن اس سچائی سے منہ نہیں موڑ سکتے کہ آزاد میڈیا کا دعویٰ کرنے کے باوجود ابھی تک پاکستان میں میڈیا خواتین کا استحصال کرنے کے لیے زڑادہ اور ان کی بہتری کے لیے بہت کم کام کر رہا ہے۔

پاکستانی میڈیا اور خواتین

پوری دنیا کی طرح پاکستانی میڈیا بھی خواتین کو معاشرے میں ان کا حقیقی مقام اور احترام بحال کرانے کی بجائے ان کے مصائب اور مشکلات کی منفی عکاسی میں مصروف ہیں ، خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا خواتین کو گھسے پٹے روایتی انداز میں ہی پیش کر رہا ہے ، ان کی ساری توجہ خواتین کی ظاہری خوبصورتی کو اس انداز میں پیش کرنے پر مرکوز ہیں ، جس سے کسی

بھی طرح اشیاء کی فروخت میں اضافہ کیا جاسکتا ہو۔خواتین کو بطور ماں ، بیوی ، تشدد کا شکار یا کسی بھی روپ میں مظالم کا شکار دیکھایا جاتا ہے ، جس سے لگتا ہے کہ پاکستان میں خواتین کو ایک اچھوت کی حیثیت حاصل ہے ۔ ان کے اوپر کیے گئے مظالم جیسے تشدد ،عصمت دری یا ایسے ہی دیگر جرائم کو چینل یا اخبار کی اشاعت اور ناظرین کی تعداد میں اضافے کے مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ اچھالا جاتا ہے۔ اس کی پیش کش کا اندازہ اور ایک طرح سے متاثرہ خاتون کی بدنامی جیسی باتیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اس پورے عمل کا جائزہ لے کر اس کی خامیوں کو ختم ہونا چاہیے۔

خواتین پر تشدد اور میڈیا کی عکاسی

جیسے جیسے پاکستان میں میڈیا طاقتور ہوتا جا رہا ہے ، ویسے ویسے خواتین پر سماجی تشدد کے واقعات کی رپورٹنگ کی شرح میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جو ویسے تو ایک حوصلہ کن بات ہے مگر میڈیا چاہے الیکٹرونک ہوں یا پرنٹ دونوں طرز میں خواتین کے طرز میں خواتین کے اوپر ہونے والے کسی بھی قسم کے تشدد کے معاملات کی رپورٹنگ میں زیادہ سوچ اپنے ادارے کی ترقی یا سیدھے لفظوں میں اشاعت بڑھانے کی ہوتی ہے ، جس کے لیے ان کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے، کہ قارئین یا سامعین اسے پڑھ کر یا دیکھ کر لطف اندوز ہوں ۔

عصمت دری یا عشق ومحبت کے واقعات کو اخبارات پر اس طرح اچھالا جاتا ہے جس سے ہمارا معاشرہ خاص طور پر نئی نسل میں بے راہ روی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح الیکٹرونک میڈیا عصمت دری یا دیگر واقعات کو ایسے انداز اور کبھی تو اتنی غیر ضروری کوریج دے دیتا ہے ، جو متاثرہ فرد کے لیے مزید خجالت کا سبب تو بنتی ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ ملک کی منفی تشہیر کا بھی باعث بن جاتی ہے ۔ ایسے متعدد واقعات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر مختاراں مائی یا شازیہ خالد کے گینگ ریپس کے واقعات جو اپنی جگہ قابل مذمت ہیں ،لیکن ان کی تشہیر اس طرح کی گئی کہ پوری دنیا میں پاکستان کو ایک وحشی یا غیر مہذب ترین معاشرہ تصور کیا جانے لگا ، حالانکہ یہ مسئلہ دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک میں پاکستان سے بھی زیادہ بڑھ کر ہیں ،مگر اپنے ناظرین اور اخبارات کی فروخت بڑھانے کے لیے خواتین پر تشدد کے واقعات کو بہت زیادہ اچھالا جاتا ہے۔

خواتین میں ذہنی بدلاؤ لانے کی کوشش میڈیا کا ایک اور ایسا پہلو جس کے نقصان کا بڑی اکثریت کو اندازہ ہی نہیں وہ خواتین میں ایسے خواب جگاتا ہے جو پورے تو خیر کبھی نہیں ہوتے ،لیکن اس کی وجہ سے ان خواب پرست خواتین کو گھریلو یا ازدواجی زندگی ضرور درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ہوسکتا ہے آپ نے کبھی غور کیا ہو کہ کچھ اخبارات ،میگزین یا ٹی وی چینلز خواتین کو ایک مکمل خاتون یعنی کھانا بنانا ، گھریلو سجاوٹ اور دیگر امور کے ساتھ خوبصورت نظر آنے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، جس کے لیے وہ خواتین میں ایسی خوبیاں گنواتے ہیں جو کسی بھی نصاب تعلیم میں نظر نہیں آتی۔

اس کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ لگتا ہے جیسے نچلے یا متوسط طبقے کی خواتین کا برین واش کر کے انہیں ایک نئی شخصیت کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے ، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان خواتین کی اولین ترجیح اپنی جسمانی خوبصورتی کا حصول بن جاتا ہے ، جو پیسے کا ضیاع تو ہوتا ہی ہے لیکن ان کی گھریلو زندگیاں بھی اس بہانے تہہ و بالا ہو کر رہ جاتی ہیں ، کیونکہ پھر ان کا دھیان اپنی ملازمتوں یا گھر کے ہی کاموں سے بالکل ہٹ جاتا ہے۔

خواتین کو سماجی تعلقات بڑھانے کی ترغیب

اسی طرح یہ اخبارات اور چینلز ایک اور تشویشناک سوچ کو ان الفاظ میں کہہ کر پروان چڑھاتے ہیں کہ خواتین کو اپنی خوبصورتی کی نمائش کے لیے بغیر کسی حجاب کے گھر سے نکل کر معاشرے میں موجود روایتی خاندانی اقدار کو چھوڑ کر سماجی تعلقات بڑھانے چاہیے۔ میڈیا کا ہی کرشمہ ہے کہ جس کی وجہ سے بسنت ، نیو ائیر نائٹ ، ویلنٹائن ڈے اور دیگر ''روشن خیال'' تہوار اب ہمارے معاشرے میں رائج ہوتے جا رہے ہیں۔ جن میں خواتین کی مختصر (فی الحال) تعداد روشن خیالی کی طرف مائل اور مغربی اقدار اپنا نظر آتی ہیں۔ اس طرح بہت سی سماجی برائیاں معاشرے سے غلبہ پا رہی ہے۔ اس رجحان کے اضافے سے معاشرے میں بے راہ روی تیزی سے غالب آتی جا رہی ہے اور عصمت دری کے واقعات کی شرح میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

اشتہارات کے لیے خواتین کا استعمال

خواتین کے استحصال کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے، ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں ایک محاورہ ہے کہ کم لباس خواتین کو ہر چیز فروخت کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، اور پاکستان میں بھی اس پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔ تقریباً تمام اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا میں خواتین کے جسم کو اشتہارات کا حصہ بنایا جاتا ہے، خاص طور پر عہد حاضر میں یہ رجحان نئی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

حکومتی پالیسیوں کی پیروی

بنیادی طور پر پاکستان میں میڈیا حکومت کی پالیسیوں کی پیروی کرتا ہے جیسے حکمران ہوں گے ویسا ہی میڈیا کا عمل ہوگا۔ مثلاً جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور حکومت میں میڈیا میں سابق صدر کی ''روشن خیال'' سوچ کا بہت اثر دیکھنے میں آیا ، اسی لیے میڈیا کے متعدد شعبوں میں باقاعدہ طور پر خواتین کو بے حجابی کی طرف مائل کرنے کے لیے مہم چلائی گئی جس کے اثرات موجودہ دور حکومت میں محسوس بھی کیے جاسکتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں تو خاص طور پر حجاب کو مسلسل تضحیک اور تحقیر کا ہدف بنایا جاتا رہا ہے۔ اور لال مسجد سے قبل تو انھیں دہشتگرد ثابت کرنیکی کی بھی کوششیں کی گئی۔ اسکے علاوہ متعدد خواتین سے متعلق ایسے معاملات جیسے حدود آرڈیننس کو قاباعدہ ایک سال تک میڈیا میں یہ ثابت کرنیکی کی کوشش کی گئی ، یہ کوئی بہت بڑا ظالمانہ قانون ہے ، جس نے خواتین کے حقوق کو چھین رکھا ہے ، اور یہ سب مہم سابق صدد پرویز مشرف کے ان الفاظ کی خواہش پر چلائی گئی جو انھوں نے ایک تقریب میں دوہرائے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے "حدود قوانین کو اسلام کی کے روح کے مطابق ڈھالنے کے لیے ان میں تبدیلی کرنا ہوگی، جو ذہنوں کی تبدیلی سے ہی ممکن ہے" اس کے بعد میڈیا نے ذہنوں کی تبدیلی کا بیڑا خود اٹھالیا۔ تقریباً ایک سال تک یہ معاملہ میڈیا کے تمام فورموں پر چھایا رہا اور بالا آخر ایک سال بعد قوانین میں تبدیلی کے نیا حدود بل منظور کردیا گیا۔ اسلامی اور غیر اسلامی کی بحث چھوڑ کر یہ سب میڈیا کی طاقت کا ثبوت ہیں ، لیکن جس کا کسی خاتون کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

غرض یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ پورا پاکستانی میڈیا خواتین کے استحصال کا کام کر رہا ہے ، لیکن بڑی اکثریت

ضرور اس منفی اور جانبدارانہ عکاسی میں مصروف ہیں۔ جس کو ٹھیک کرنے کے لیے نئے قوانین اور ان پر عملدرآمد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ معاشرے میں خواتین کے احترام اور ان کے حقیقی کردار کے لیے میڈیا انتہائی اہم ثابت ہوسکتا ہے۔

میڈیا میں خواتین کا کردار

دنیا میں کوئی بھی کام ،کوئی پیشہ،کوئی ذمہ داری بھی آسان نہیں ،خاص طور پر کسی عورت یا لڑکی کے لیے ملازمت خصوصاً میڈیا (پرنٹ اور الیکٹرونک صحافت) کے شعبے میں کوئی آسان مصروفیت نہیں ۔ کیونکہ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس سے منسلک لوگوں کا ماننا ہے کہ یہ ایک انتہائی مشکل پیشہ ہے ، نہ اس میں کوئی متعین وقت ہے اور نہ آرام ، جہاں تک میڈیا کے کسی شعبے سے تعلق رکھنے والی کسی بھی خاتون کے گھر کے جھنجھٹ الگ تو گھریلو زندگی بھی تلخ ، یہ تو خیر تمہید تھی آیئے اب جائزہ لیتے ہیں کہ پاکستان میں میڈیا میں خواتین کا کردار کیا ہے اور ان کا اس شعبے میں کیسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ میڈیا صنف نازک کو اپنی اشاعت یا ناظرین کی تعداد بڑھانے کے لیے کیسے استعمال کر رہا ہے۔ لیکن اس سے قبل ماضی کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں ، کہ کس طرح خواتین پاکستانی صحافت کے منظر نامے میں ابھرنا شروع ہوئیں۔

پس منظر

مغرب یا ترقی یافتہ ممالک میں خواتین عرصے سے اس پیشے کا حصہ ہے لیکن پاکستان میں یہ چیز ابھی کافی نئی ہے ، قیام پاکستان کے بعد جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور تک خواتین صحافیوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی ، اور جو تھی انہیں بھی چند مخصوص شعبوں میں ہی کام کرنے کے مواقع میسر تھے ، اگر آپ پاکستان کی صحافت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو خواتین رپورٹرز بہت کم نظر آئے گی ، اور اردو اخبار میں تو آج تک کوئی خاتون کبھی ایڈیٹر نہیں بن سکی ، لیکن اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی سابق صدر پرویز مشرف کے دور حکومت میں پاکستانی خواتین کو بہت سے حقوق دیئے گئے ، جو پہلے معاشرے میں عام نہیں تھے۔ اسی میں ایک خواتین کو معاشی میدان میں خودمختاری کے لیے یا جنسی امتیاز کے خاتمے کا نعرہ لگا کر انہیں مردوں کے شانہ بشانہ ملازمتوں میں مصروف کر دینا ہے ، یہ علیحدہ بات ہے کہ عورت کا بوجھ بڑھ گیا ہے اور اب اسے گھر داری کی روایتی ذمہ داریوں کے علاوہ روزی روٹی کمانے میں بھی حصہ بنانا پڑتا ہے ، بہر حال یہ تو ایک طویل بحث ہے اسے چھوڑ کر موضوع کی طرف آتے ہیں ۔

پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں خواتین کی محدود تعداد زندگی کے بہت سے شعبوں میں داخل ہو رہی ہیں ، اب ان کی ترجیحات میں سے تعلیم وتدریس اور نرسنگ کی جگہ میڈیا کے شعبے میں اپنا کیریئر بنانا اولین ترجیح نظر آتا ہے ، جو بہر حال میڈیا کا ایک مثبت پہلو ہی کہا جاسکتا ہے۔

بنیادی طور پر پوری دنیا میں صحافت کے پیشے میں مردوں کی ہی بالادستی ہے ، وہی یہ طے کرتے ہیں کہ کسی خاتون صحافی کو کیسے پیش کرنا ہے اور ان کے ذمے کیا کام لگانا ہے ،اسی کے باعث صحافی خواتین کو میڈیا کے متعدد شعبوں میں تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، اس کے علاوہ میڈیا میں خواتین کو کام سے زیادہ ظاہری خوبصورتی یا گلیمر کے لیے استعمال کیے جانے کا رجحان ہے۔ پاکستانی میڈیا میں بھی خواتین کو ان ہی مسائل کا سامنا ہے ، ابھی بھی اگر آپ غور کریں تو خواتین

رپورٹرز کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، جو ہے بھی تو ان کی اس حیثیت سے آگے ترقی کا کوئی خاص امکان نہیں، دفاتر میں جنسی طور پر ہراساں کرنا ایک عام معمول کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔

اب پرنٹ میڈیا کا جائزہ لیں تو یہاں بھی کچھ اسی سے ملتی جلتی صورت حال ہے، ملک بھر کی اسی فیصد آبادی صرف اردو اخبارات پڑھتی ہے، لیکن ان میں خواتین ورکرز کی تعداد گنی چنی ہے اور جو ہے وہ کسی بھی شعبے میں قابل ذکر نہیں۔

انگریزی اخبارات میں صورت حال اس سے بہتر ہے لیکن وہاں زیادہ تر خاص طرز فکر (مغربی سوچ پر مائل) خواتین صحافی کو ہی ترجیح دی جاتی ہے، جبکہ تنخواہوں میں کمی اور جنسی امتیاز کا مسئلہ وہاں بھی نمایاں ہے۔

اس کے علاوہ کالم نگاری کے شعبے میں متعدد خواتین موجود ہیں، لیکن ان کی بڑی تعداد ایک خاص نکتہ نظر رکھنے والی خواتین پر مشتمل ہے، جو اسلامی خاندانی نظام اور اقدار کو چودہ سو برس پرانا قرار دے کر خواتین کو جدید طرز زندگی (مغرب کی پیروی) کی طرف مائل کرنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتی ہیں، جبکہ مغرب کے آزاد معاشرے کے رہائشی اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اور امریکہ سمیت یورپ میں بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

خیر یہ تو ایک طویل موضوع ہے جس کے ساتھ ایک مکمل کتاب میں بھی پوری طرح انصاف کرنا مشکل ہے۔ پاکستان میں آج خاندانی نظام، جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر معاشرے میں ابتری کی وجہ بنا ہوا ہے، اس میڈیا اپنی کوششوں سے بہتری لا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک خاندان کو چلانے کے لیے خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور میڈیا معاشرے میں خواتین کے احترام اور معاشرے میں انہیں حقیقی مقام دلانے کے لیے ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے مخصوص مفادات کی دھند سے باہر نکل آئے۔ ورنہ میڈیا کی بھڑکائی ہوئی آگ مستقبل میں کیا گل کھلائے گی، اس کی ایک معمولی سی تصویر ہمارے آج کے معاشرے کی حالت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔